وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی

۳۶-کے ماڈل ٹاؤن — لاہور

Siddiq Sons Industries Ltd.

Largest Manufacturers & Exporters of :

WATERPROOF COTTON CANVAS, TARPAULINS, TENTS, WEBBING AND OTHER CANVAS PRODUCTS,

HEAD OFFICE :

709, 7TH FLOOR, QAMAR HOUSE,
M.A. JINNAH ROAD, KARACHI (PAKISTAN)

2 - K GULBERG II, SHAHRAH-E-IQBAL, LAHORE.
TELEFHONE : 870512 880731

ماہنامہ

میثاق

لاہور

جلد ۳۳ : شمارہ ۵ | شعبان المعظم ۱۴۰۴ھ مطابق مئی ۱۹۸۴ء

مشمولات

عرضِ احوال ــــــــ ۲

شیخ جمیل الرحمٰن

الہدیٰ (چودھویں نشست) ــــــــ ۵

مقرر ڈاکٹر اسرار احمد

توحیدِ عملی اور فریضۂ اقامتِ دین ــــــــ ۱۵

ڈاکٹر اسرار احمد

اسلام میں عملی زندگی ــــــــ ۳۳

ملک اقبال احمد

اظہارِ حق (قادیانیت اپنے لٹریچر کے آئینے میں) ــــــــ ۴۵

قاری نصیر احمد غزنوی

عورت اور اسلامی معاشرہ ــــــــ ۵۹

احمد افضال

افکار و آراء ــــــــ ۶۹

(۱) بیعت

(۲) آج کا مسئلہ

رفتارِ کار ــــــــ ۸۳

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن

حافظ عاکف سعید

سالانہ زرِ تعاون

۳۰ روپے

قیمت فی شمارہ

۳ روپے

ناشر

ڈاکٹر اسرار احمد

طابع

چودھری رشید احمد

مطبع

مکتبہ جدید شارع فاطمہ جناح لاہور

مکتبہ تنظیم اسلامی

فون : ۸۵۲۶۱۱

سب آفس : ۱۱ داؤد منزل

نزد آرام باغ، شاہراہ لیاقت کراچی

کراچی فون برائے رابطہ

۲۱۴۷۰۹

شیخ جمیل الرحمٰن

عرضِ احوال

نحمدہ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

بفضلہٖ تعالیٰ سبحانہٗ، شعبان المعظم ۱۴۰۴ھ مطابق مئی ۱۹۸۴ء کا شمارہ پیشِ خدمت ہے۔ شعبان المعظّم کی عظمت یہ ہے کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اسے اپنا مہینہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ احادیث صحیحہ میں مروی ہے کہ نبی اکرمؐ اس ماہ میں کثرت کے ساتھ نفلی روزوں کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جن کو نبی اکرمؐ کے اتباع میں اس ماہ میں نفلی روزے رکھنے کی توفیق وسعادت بارگاہ ربّ العزّت سے عطا ہو۔ اس سال شعبان المعظّم اور رمضان المبارک کے مہینے مئی اور جون میں آرہے ہیں جو گرمی کے اعتبار سے نہایت شدید ہوتے ہیں۔ نیز ابھی کم از کم پانچ چھ سال یہ مہینے موسم گرما ہی میں آئیں گے۔ ایسے موسم میں ارکانِ اسلام میں سے ایک رکن یعنی صومِ رمضان کی بجاآوری کا جو لوگ بھی ایمان اور احتساب کے ساتھ اہتمام کریں گے۔ ان شاء اللہ وہ اجرِ عظیم کے مستحق ومستوجب ہوں گے۔

امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے بیرونِ پاکستان دعوتی دوروں کے پیشِ نظر یہ ممکن نہیں تھا کہ تنظیم اسلامی کا آٹھواں سالانہ اجتماع مئی ۸۴ء کے آخری عشرے سے قبل منعقد کیا جاتا۔ امیر محترم فی الحال حیدرآباد دکن (بھارت) کے دعوتی دورے پر تشریف لے گئے ہوئے ہیں۔ واپسی پر دہلی اور علی گڑھ میں امیرِ محترم کے درسِ قرآن یا خطاب کے پروگرام کا بھی امکان ہے۔ حیدرآباد دکن (بھارت) کے دورے کی تقریب یہ بنی کہ شمالی امریکہ سے امیرِ محترم کے بے شمار دروس وخطابات کے کیسٹ بھارت، خاص طور پر حیدرآباد دکن پہنچے ہیں اور ایک وسیع ترین تعلیم یافتہ اور متدین حلقہ امیرِ محترم کی شخصیت اور تنظیم اسلامی کی آفاقی اسلامی انقلاب کی دعوت سے متعارف ہوچکا ہے جو اس دعوت کے داعی وقائد سے ملاقات اور خود موصوف کی زبان سے اسلامی انقلاب کے عالمگیر اصول ومبادی سننے کا عرصۂ دراز سے متمنّی تھا اور قریباً دو سال سے وہاں سے امیرِ محترم کو حیدرآباد دکن تشریف لانے کی اصرار کے ساتھ دعوت مل رہی تھی۔ مشیتِ الٰہی میں جس کام کے لئے جو وقت مقرر ہوتا ہے، ہمارا ایمان ہے کہ اس میں تغیر وتبدل انسان کے بس میں نہیں ہوتا۔ اس دورے

کے علاوہ سعودی عرب سے بھی امیرِ محترم کو دعوتی دوروں کی کافی عرصہ قبل سے دعوت آئی ہوئی تھی۔ اور کوشش ہو رہی تھی کہ اس مرتبہ جو دورہ ہو تو وہ محض جدہ، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ تک محدود نہ رہے بلکہ امیرِ محترم کو سعودی عرب کا Visit - Visa حاصل ہو جائے تاکہ اس دورے میں سعودی عرب کے دوسرے ان اہم و مشہور شہروں میں بھی موصوف تشریف لیجا سکیں جہاں بحمداللہ تنظیم اسلامی کے رفقاء اور اس کی دعوت کے متاثرین کی تعداد موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مساعی کو مشکور فرمایا اور مطلوبہ ویزا حاصل ہو گیا جس کو مئی ۸۴ء کے اواخر تک استعمال کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ بھارت سے واپسی کے بعد ایک ہفتہ امیرِ محترم کا پاکستان کے مختلف شہروں میں دعوتی پروگرام طے ہے۔ جس سے ۴ مئی تک موصوف فارغ ہوں گے اور ان شاء اللہ ۵ مئی کو سعودی عرب کے لئے عازمِ سفر ہوں گے۔ جہاں عمرہ اور مسجدِ نبوی میں حاضری کی سعادت کے علاوہ مختلف شہروں میں امیرِ محترم کے دروس، خطابات اور مذاکروں کے پروگرام ہوں گے اور ۲۰ مئی یا اس کے متصلاً بعد پاکستان مراجعت ہو گی۔

ان حالات کے پیشِ نظر جنوری ۸۴ء کے مجلس مشاورت کے اجلاس میں تنظیم اسلامی کے آٹھویں سالانہ اجتماع کے لئے ۲۵ تا ۳۰ مئی ۸۴ء کی تاریخیں طے ہو گئی تھیں۔ ساتھ ہی یہ بھی طے ہوا تھا کہ یہ سالانہ اجتماع امسال کراچی میں منعقد کرنے کی بھرپور کوشش کی جائے۔ چونکہ لاہور کی بہ نسبت کراچی میں گرمی کم ہو گی لیکن تنظیم اسلامی کراچی انتہائی کوشش کے باوجود کراچی میں کوئی ایسا مقام حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی جہاں پانچ روز تک قریباً چار سو اشخاص کی رہائش اور پھر اجتماع کی کارروائی کے انتظامات بحسن وجوہ ہو سکیں۔ لہٰذا فیصلہ کیا گیا کہ یہ سالانہ اجتماع بھی حسبِ سابق قرآن اکیڈمی ہی میں منعقد کیا جائے۔ توقع ہے کہ اس کی اطلاع "میثاق" کے اپریل ۸۴ء کے شمارے کے ذریعہ تمام رفقاء کو مل چکی ہو گی۔

اس موقع پر اچانک راقم کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول یاد آیا کہ عرفت ربی بفسخ العزائم۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر انسان کو فطرتِ سلیمہ اور عقلِ صحیحہ ملی ہو تو روزمرہ کے مختلف انواع و اقسام کے حوادث اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ ایک علیٰ کل شئی قدیر ہستی ہے جس کے قبضۂ قدرت میں اس کائنات کی تدبیر ہے اور یہاں ہر عمل اور کوشش اسی وقت بار آور اور کامیاب ہو سکتی ہے جب اس کا اذن اور اس کی مشیت ہو: وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ

اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کی ذات الحکیم ہے لہٰذا عزائم کے فسخ میں بھی یقیناً اس کی کوئی نہ کوئی حکمتِ بالغہ کارفرما ہوتی ہے۔ جس کے اشارات ہیں سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۱۲۹ کے آخری الفاظ مبارکہ فَيَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ، سورۂ یونس کی آیت ۱۴ کے آخری الفاظ لِنَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ اور سورہ ملک کی آیت نمبر ۲ کے اس حصّے سے مل سکتے ہیں، جس میں موت وحیات کے اس سلسلہ کی غرض وغایت یہ بیان فرمائی گئی ہے: لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا۔

لہٰذا تنظیم اسلامی کے رفقاء کو اس نقطۂ نظر سے غور کرنا چاہیئے کہ یہ سب کچھ بارگاہِ رب العزت سے ان کے امتحان کی حکمت کے پیشِ نظر بھی ہوسکتا ہے۔ جنہوں نے اپنی آزاد مرضی سے اپنے دینی فرائض کی بجاآوری کے لئے جس میں عبادتِ رب، شہادت علی الناس، اقامتِ دین بھی شامل ہیں، بیعت کے مسنون طریق کے مطابق خالصتاً رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر تنظیم اسلامی میں شمولیت اختیار کی ہے، وہ اس موقع پر عزیمت کا رویّہ اختیار کرتے ہیں یا رخصت کا۔ ظاہر ہے کہ گرمی کے موسم میں سفر کی صعوبت لاہور کے شدید گرم موسم میں پانچ دن تک کا قیام ساتھ ہی اجتماعات کی مصروفیات کی وجہ سے بے آرامی اور اپنے روزمرہ کے معمولات کی قربانی ایک ایسی کسوٹی ثابت ہوسکتی ہے جو اس امر کی نشاندہی کرے کہ تنظیم کے رفقاءٗ کو اپنے مقصد سے کتنا تعلق خاطر اور اپنے عہد کو پورا کرنے کا کتنا عزم اور ولولہ ہے!!

توقع ہے کہ رفقائے تنظیم اس اجتماع میں شرکت کا خصوصی اہتمام کریں گے اور کوئی معمولی عذر ان کی راہ میں حائل نہیں ہوگا اِلّا یہ کہ واقعی ایسا عذر درپیش ہو کہ جس کے متعلق ان کا ضمیر مطمئن ہو کہ یہ وہ عذر ہے جسے عذرِ شرعی قرار دیا جاسکتا ہے۔

یوں تو ہر نظریاتی و انقلابی جماعت کے سالانہ اجتماعات بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں لیکن جب کوئی جماعت خالصتاً اپنے دینی فرائض کی انجام دہی کے لیئے قائم ہو تو اس کی اہمیت کا کسی دنیوی نظریاتی جماعت سے ادنیٰ سا تقابل بھی خارج از امکان ہے۔ ہمارا دین تو وہ ہے، کہ جس کے حیطۂ اختیار سے اس کے ماننے والوں کی انفرادی زندگی سے لے کر اجتماعی زندگی کا کوئی گوشہ بھی باہر نہیں ہے۔ ہمارا دین جہاں ایک طرف فرد کی اپنی سیرت و کردار کی تطہیر و تعمیر پر زور دیتا ہے، تو دوسری جانب ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے۔ جس کی رگ و پے میں توحید جاری

(بقیہ صفحہ ۸۷ پر)

الہدیٰ (چودھویں نشست)

اُولوالالباب کے ایمان کی کیفیت

سورۂ آلِ عمران کے آخری رکوع؛ آیات ۱۹۰ تا ۱۹۵ کی روشنی میں

(مباحث ایمان)

ڈاکٹر اسرار احمد

کے ٹیلیویژن کے دروس کا سلسلہ

(۱)

السّلام علیکم۔ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہِ الکریم امابعد:

حاضرینِ کرام وسامعینِ عظام!

امّ القرآن یعنی سورہ فاتحہ کے بارے میں چار نشستوں میں کسی قدر گفتگو کے بعد آج ہم اللہ کے نام سے اس سلسلۂ دروس قرآنی کے پانچویں سبق کا آغاز کر رہے ہیں جو سورہ آلِ عمران کی چھ آیات پر مشتمل ہے یعنی آیات نمبر ۱۹۰ تا ۱۹۵ - یہ آیاتِ مبارکہ سورہ آل عمران کے آخری رکوع کے آغاز میں وارد ہوئی ہیں — آیئے پہلے ہم ان مبارک آیات کی تلاوت کر لیں اور ان کا ایک سلیس ترجمہ ذہن نشین کر لیں تاکہ ان میں جو مضامین آرہے ہیں، ان کا ایک اجمالی نقشہ ہمارے ذہنوں میں قائم ہو جائے۔

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ فِی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ

لَاٰيٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ اَلَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ
قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ
سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ رَبَّنَا اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ
النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝
رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا
بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ
عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۚ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا
وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِنَّكَ
لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ۝ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ
عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی ۚ بَعْضُكُمْ
مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ
دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُ
كَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ
حُسْنُ الثَّوَابِ ۝

صدق اللّٰہ العظیم

”یقیناً آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات اور دن کے الٹ پھیر میں نشانیاں ہیں ہوش مند اور باشعور لوگوں کے لئے۔ وہ لوگ جو یاد رکھتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے ہوئے اور غور و فکر کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں۔ وہ پکار اٹھتے ہیں اے ہمارے ربّ! تو نے یہ سب کچھ بیکار اور بے مقصد پیدا نہیں کیا ہے، تو اس سے پاک ہے۔ پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ اے ہمارے ربّ! جسے تو نے آگ میں داخل کر دیا اُسے تو نے رسوا کر دیا اور ایسے ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہ ہوگا۔

اے رب ہمارے! ہم نے ایک پکارنے والے کی پکار کو سُنا کہ وہ ایمان کی دعوت دے رہا ہے کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر۔ پس ہم ایمان لے آئے ۔ سو اے ہمارے رب! ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہماری بُرائیوں کو ہم سے دُور فرما دے اور ہمیں اپنے نیکوکار بندوں کے ساتھ وفات دیجیو ۔ اور اے رب ہمارے! ہمیں عطا فرما جس کا تو نے ہم سے وعدہ فرمایا ہے اپنے رسولوں کی وساطت سے اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کیجیو ۔ یقیناً تو اپنے وعدے کے خلاف کرنے والا نہیں ہے ۔ تو اُن کی دعا قبول فرمائی ان کے رب نے کہ میں تو کسی بھی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع کرنے والا نہیں ہوں خواہ وہ مرد ہو یا عورت ۔ اور تم سب ایک دوسرے ہی میں سے ہو۔ تو وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور جو اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے اور جنہیں میری راہ میں ایذائیں پہنچائی گئیں اور جنہوں نے جنگ کی اور جنہوں نے اپنی گردنیں کٹوا دیں ان کی بُرائیوں کو میں لازماً دور کر دونگا اور ان کو لازماً داخل کرونگا ان باغات میں جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی ۔ یہ بدلہ ہوگا اللہ کے خاص خزانۂ فضل سے اور واقعہ یہ ہے کہ اچھا بدلہ تو اللہ ہی دیتا ہے"۔

اس سے پہلے کہ ہم ان آیاتِ مبارکہ میں وارد مضامین پر سلسلہ وار غور کریں۔ ہمارا اب تک جو معمول رہا ہے اس کے مطابق ان آیات کے بارے میں چند تمہیدی باتیں نوٹ فرمالیں۔

سب سے پہلی بات جو قرآن مجید سے ایک ذہنی مناسبت پیدا کرنے میں ممد ہے۔ وہ یہ کہ قرآن حکیم میں جو طویل سورتیں ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر کے آغاز اور اختتام پر جو آیات وارد ہوتی ہیں وہ بالعموم جامع ترین ہوتی ہیں۔ یہ بات ویسے عام دنیوی اصول کے مطابق بھی ہے ۔ جیسے کسی اچھی غزل کے مطلع اور مقطع کو بہت اہمیت حاصل ہوتی ہے اور کسی اعلیٰ خطیب کے خطبہ کے افتتاحی اور اختتامی کلمات بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں ۔ یہی معاملہ ہمیں قرآن مجید

کی اکثر طویل سورتوں کے آغاز اور اختتام میں وارد ہونے والی آیات میں نظر آتا ہے۔ انہیں اصطلاح میں فواتح وخواتیم سُوَر کا نام دیا گیا ہے۔ چنانچہ سورہ بقرہ کی ابتدائی اور آخری آیات کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ یہی وصف بکمال وتمام سورہ آلِ عمران کی ان آیاتِ مبارکہ میں ہے جن کی آغاز میں آپ نے تلاوت سنی۔

دوسری بات ان آیات کی عظمت کے سلسلہ میں جو روایات وارد ہوئی ہیں ان میں سے دو کے ذکر پر اکتفا کروں گا۔ پہلی روایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے مروی ہے جسے شانِ نزول بھی کہا جا سکتا ہے۔ انؓ سے ایک مرتبہ حضرتِ عمرؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے یہ فرمائش کی کہ "امّ المؤمنین! مجھے آپؓ وہ واقعہ سنائیے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال وواقعات میں آپؓ کو سب سے زیادہ پیارا لگا ہو۔" ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے ایک گہرے احساس کے ساتھ یہ فرمایا کہ "آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تو ساری ہی باتیں نہایت پیاری تھیں۔ آپؐ کی تو ہر بات نہایت دل آویز تھی۔ تاہم تم نے فرمائش کی ہے تو میں تمہیں ایک واقعہ سناتی ہوں۔ ایک شب کو حضورؐ میرے پاس تشریف لائے لیکن اچانک آپؐ نے مجھ سے فرمایا 'اے عائشہ! مجھے اجازت دو میں اس وقت اپنے اللہ کی عبادت کرنا چاہتا ہوں' میں نے عرض کیا حضورؐ! مجھے آپؐ کا قرب نہایت عزیز ہے لیکن جو چیز آپؐ کو پسند ہو وہ اس سے بھی زیادہ محبوب ہے لہذا آپؐ کو اجازت ہے۔ تو آپؐ نماز پڑھنے کھڑے ہوئے اور آپؐ پر رقّت طاری ہوئی اور آپؐ روتے رہے۔ یہاں تک کہ آپؐ کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ پھر آپؐ نے بہت طویل سجدہ کیا اس میں بھی گریہ طاری رہا جس کی بنا پر سجدہ گاہ گیلی ہو گئی۔ پھر آپؐ کچھ دیر لیٹے لیکن وہ کیفیت آپؐ پر برقرار رہی۔ یہاں تک کہ صبح صادق ہو گئی اور آپؐ پر رقّت اور گریہ کی وہی کیفیت طاری رہی۔ حضرت بلال (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جب فجر کی نماز کی اطلاع دینے کے لئے حاضر ہوتے اور انہوںؓ نے آنحضورؐ

کی اس کیفیت کو دیکھا تو انہوںؓ نے عرض کیا حضورؐ! آپؐ اور آپؐ پر یہ رقّت اور یہ گریہ! حالانکہ اگر کہیں بالفرض آپؐ سے کوئی خطاء اور لغزش ہوئی بھی ہو تو اللہ تعالیٰ آپؐ کی تمام خطاؤں کو بخش دینے کا اعلان فرما چکا۔ تو جواب میں آپؐ نے فرمایا۔ اے بلال، میں کیوں نہ روؤں کہ آج کی شب میں میرے رب نے مجھ پر یہ آیات نازل فرمائی ہیں۔ پھر آپؐ نے ان آیات کی تلاوت فرمائی ـــــــ "اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ - اِلٰی آخِرِ السُّوْرَۃ" ـــــ دوسری روایت کے راوی ہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہؓ یہ فرماتے ہیں کہ "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معمول میں یہ شامل تھا کہ جب آپؐ رات کے وقت تہجّد کے لئے اٹھتے تو آنکھ کھلتے ہی بے اختیار آپؐ کی زبانِ مبارک پر یہ آیات جاری ہو جاتی تھیں"۔ اب آپ چشمِ تصوّر سے دیکھئے کہ اللہ کا محبوب بندہ پچھلی رات کو اٹھا۔ اوپر آسمان ہے، ستارے ہیں، تاریکی اور سکون کی ایک کیفیت ہے۔ اس وقت جو واردات قلب پر طاری ہو رہی ہیں ان کی بہترین ترجمانی ان الفاظِ مبارکہ سے ہو رہی ہے:- اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ - اِلٰی آخر السورہ ـــ معلوم ہوا کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان آیاتِ مبارکہ سے خصوصی شغف تھا ـــ ان دونوں روایات کو امام رازی رحمہ اللہ اپنی تفسیر کبیر میں لاتے ہیں۔

تیسری قابلِ غور بات یہ ہے کہ ان آیات کا موضوع کیا ہے۔ ع ان آیات کے موضوع کو اگر میں عنوان دوں تو وہ 'ترکیبِ ایمان' ہے یعنی 'Synthesis of the Faith' ایمان کیسے وجود میں آتا ہے اور جو ایمانیاتِ ثلاثہ یعنی ایمان باللہ، ایمان بالآخرہ اور ایمان بالرسالت ہیں ان میں باہمی ترتیب کیا ہے! بالخصوص یہ بات کہ اس کے ضمن میں قرآن مجید کا اپنا مخصوص طرزِ استدلال کیا ہے! وہ کس اسلوب سے ایمان باللہ کی دعوت دیتا ہے۔ کن دلائل سے معاد یعنی آخرت کا اثبات کرتا ہے۔ پھر یہ کہ اس

ایمان کے نتیجے میں انسانی شخصیت میں کیا کیفیات پیدا ہونی چاہئیں - یہ نہایت اہم موضوع ہے اس لئے کہ کون نہیں جانتا کہ ہمارے دین کی جڑ اور بنیاد تو درحقیقت ایمان ہے - لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ آج کے درس کے ذیل میں ایمان کے بارے میں چند بنیادی باتیں آپ حضرات ذہن نشین کر لیں -

ایمان چند ماوراء حقائق اور چند امورِ غیبی کو مان لینے کا نام ہے - لیکن یہ جان لیجئے کہ اس ایمان کے دو رخ ہیں یا دو پہلو ہیں یا دو درجے ہیں - ایک رُخ یا یک پہلو یا ایک درجہ قانونی اور فقہی ایمان کا ہے - جس کی بنیاد پر ہم اس دنیا میں ایک دوسرے کو مسلمان سمجھتے ہیں - اس کا تمام دار و مدار اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ پر ہے - زبان سے اقرار کرنا کہ میں مانتا ہوں اللہ کو اس کی صفاتِ کمال کو، اس کی توحید کو - میں مانتا ہوں - نبوت و رسالت کو، ملائکہ کو، کتابوں کو، نبیوں اور رسولوں کو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین و المرسلین ہونے کو - میں مانتا ہوں - بعث بعد الموت کو، حشر و نشر کو، حساب وکتاب کو، جزا و سزا کو، جنت و دوزخ کو - یہ زبان سے جو اقرار ہے یہ دنیا میں ہمارے مسلمان سمجھے جانے کی بنیاد ہے --- ایمان کا دوسرا رُخ یا دوسرا پہلو یا دوسرا درجہ ہے حقیقی ایمان -- اور وہ عبارت ہے قلبی یقین سے -- ان تمام امور پر قلبی یقین پیدا ہو جائے - واقعہ یہ ہے کہ آخرت میں فلاح و نجات کا جو دار و مدار ہے وہ اس حقیقی اور قلبی ایمان پر ہے --

جہاں تک پہلے ایمان یعنی اقرار باللسان کا تعلق ہے، اس کے بارے میں گفتگو کی ہمیں خاص حاجت نہیں ہے وہ تو ہمیں حاصل ہے - وہ تو ہمیں موروثی طور پر مل گیا ہے - ہم مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوئے تو وراثتاً یہ عقائد ہمیں منتقل ہو گئے - لیکن اصل چیز وہ یقینِ قلبی ہے جس پر آخرت میں نجات کا انحصار ہے، ہمیں اس کی فکر ہونی چاہیئے بقول علامہ اقبال مرحوم ؎

یقیں پیدا کر اے ناداں یقیں سے ہاتھ آتی ہے
وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری

وہ یقین قلبی اور حقیقی ایمان ان آیات کا موضوع ہے - اس ضمن میں یہ

نکتہ نوٹ کرلیں کہ یہ بات اپنی جگہ بالکل درست ہے کہ اگر ایک انسان جس نے مسلمان معاشرے میں آنکھ کھولی اور وہ دین کے اوامر و نواہی پر کاربند ہے۔ تو چاہے ذہن، فکر اور شعور کی سطح پر اسے ماورائے حقائق اور امورِ غیبی کی حقیقی معرفت (Conscious Realisation) حاصل نہ ہوئی ہو تب بھی اس کو ایک نوع کے قلبی یقین کی کیفیت حاصل ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ جس طرح انسان کا باطن اس کے ظاہر پر اثر انداز ہوتا ہے اُسی طرح اس کا ظاہری طرزِ عمل، اس کا ظاہری رویّہ اس کے باطن پر ایک عکس ڈالتا ہے، چاہے آپ اسے ایک غیر شعوری یقین کہیں لیکن وہ پیدا ہو جاتا ہے۔ مگر ہمیں اس وقت اس سے بھی بحث نہیں ہے ــــ ان آیات میں جو گفتگو ہو رہی ہے وہ اکتسابی اور شعوری ایمان کی ہے۔ جس کو ایک ذہین و فطین اور صاحب شعور و ادراک انسان اپنے ذاتی غور و فکر کے نتیجہ میں حاصل کرتا ہے۔ جن کو ان آیاتِ مبارکہ میں پہلی آیت میں اولوا الالباب قرار دیا گیا۔ یعنی ہوش مند لوگ، عقل سے کام لینے والے لوگ، صاحب خرد لوگ۔ ان کا معاملہ کیا ہوتا ہے!

تفصیلات میں تو ہم ان شاء اللہ اگلی نشستوں میں جائیں گے۔ فی الحال اس ضمن میں یہ نکات نوٹ کیجئے کہ ان آیات میں ان اولوا الالباب کے بارے میں پہلی بات یہ سامنے آئی کہ یہ لوگ کتابِ فطرت کے مطالعے اور مظاہرِ فطرت کے مشاہدے سے اللہ تعالےٰ کی معرفت حاصل کرتے ہیں۔ پھر یہ لوگ اللہ تعالےٰ کو پہچاننے کے بعد اس کی ذاتِ اقدس سے ایک مضبوط ذہنی رشتہ و تعلق استوار کرکے مزید غور و فکر کرتے ہیں اور بقول علامہ اقبال مزید خرد کی گتھیاں سلجھاتے ہیں تو ان کی رسائی ایمان بالمعاد یعنی ایمان بالآخرۃ تک ہو جاتی ہے۔ گویا کہ معرفتِ الٰہی اور قانونِ مکافات و مجازاتِ عمل تک رسائی ان کے اپنے مطالعہ و مشاہدہ اور تعقل و تفکر کے عمل (Process) کا حاصل ہوتی ہے۔ پھر جب کسی نبی کی دعوت ایسے لوگوں کے کانوں میں پڑتی ہے۔ جو ان ہی امور پر مشتمل ہوتی ہے تو ایسے لوگ والہانہ انداز میں اس پر لبیک کہتے ہیں۔ بالکل اس طرح جیسے کسی شاعر نے کہا ہے۔

دیکھنا تقریر کی لذّت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہی میرے دل میں ہے

دوسری بات یہ سامنے آئی کہ آخر میں ایسے لوگوں کی سیرت و کردار کی ایک جھلک دکھا دی گئی کہ یہ بوڑھے لوگ نہیں ہیں۔ یہ جہاں عقل و شعور کے اعتبار سے پختہ ہیں وہاں ان کا کردار اور ان کی سیرت بھی بہت مضبوط ہوتی ہے۔ اس کا نقشہ آیت نمبر ۱۹۵ میں آگیا ہے۔

اس درس کے ضمن میں تیسری اور آخری بات نوٹ کر لیں تاکہ اس کا ہمارے سابقہ دروس کے ساتھ جو ربط و تعلق ہے، وہ ہمارے سامنے آجائے وہ یہ ہے کہ سورۃ العصر میں انسان کی نجاتِ اخروی کی چار ناگزیر شرائط ہمارے سامنے آئی تھیں۔ ایمان، عملِ صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر۔ یہاں ہم دیکھ رہے ہیں کہ ایمان اور صبر یعنی پہلی اور آخری شرائط کے بارے میں گفتگو ہو رہی ہے۔ درمیانی دو شرطیں گویا یہاں Understood ہیں۔ مقدّر ہیں — بین السطور ہیں — پھر یہ کہ حضرت لقمان کی شخصیت ہمارے سامنے آچکی ہے وہ نبی نہیں تھے نہ ہی کسی رسول کے اُمتی تھے لیکن فطرتِ سلیمہ اور عقلِ صحیحہ کی رہنمائی میں وہ ایمان باللہ اور توحید اور قانونِ مجازاتِ عمل تک پہنچ گئے تھے — یہی بات ہم سورہ فاتحہ میں دیکھ چکے ہیں کہ ایک سلیم الفطرت اور صحیح العقل انسان کہاں تک پہنچ پاتا ہے۔ اُسے اللہ تعالےٰ کی معرفت بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ اور روزِ جزا و سزا کا شعور بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن پھر وہ زندگی کے پیچیدہ مسائل میں تفصیلی رہنمائی کا محتاج ہوتا ہے جس کے لئے وہ دستِ سوال دراز کرتا ہے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ۔ یہاں سے رسالت کی ضرورت کی احتیاج کے لئے دلیل قائم ہوتی ہے۔ ان مباحث کے پس منظر میں آج ہم نے غور و تدبّر کے لئے ایک قدم آگے بڑھایا ہے۔ ان شاء اللہ ان آیات پر تفصیلی گفتگو آئندہ ہو گی — البتہ اس نشست میں، میں نے جو کچھ عرض کیا ہے اس کے بارے میں کوئی سوال ہو یا وضاحت مطلوب ہو تو میں حاضر ہوں۔

سوال و جواب

سوال : ڈاکٹر صاحب! ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پہ ان کا ذکر کیا ہے جو اُسے ہر دم یاد کرتے ہیں ۔ عملی طور پہ ہر دم اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا کس طرح ممکن ہے ۔ ؟

جواب : اصل میں ذکر کے معنی ہیں استحضار اللہ فی القلب ۔ دل میں اللہ کو مستحضر رکھا جائے اور یہ عین ممکن ہے کہ کوئی شخص اپنی کسی دنیوی معروفیت میں ہو اس کے ہاتھ اس کام میں لگے ہوئے ہوں لیکن اللہ کی یاد اس کے دل میں موجود ہو ۔ بلکہ ہمارے اکثر و بیشتر کام وہ ہیں جن کے دوران ہم اپنی زبانوں کو بھی ذکرِ الٰہی سے تر رکھ سکتے ہیں باقی ان آیات سے جو اصلاً مقصود ہے وہ یہ ہے کہ انسان ہر وقت اللہ تعالیٰ کو اپنے قلب و شعور میں مستحضر رکھے ۔ اُسے یاد رکھے ۔ اُسے یہ یقین رہے کہ ایک عالم الغیب ہستی اس کے ہر ہر عمل کو دیکھنے والی، ہر ہر ارادے کو جاننے والی ہر ہر قول کو سننے والی موجود ہے ۔ اس کی نگران ہے ۔ یہاں اصل میں خصوصیت کے ساتھ ان لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے جو اس کائنات کی الجھی ہوئی ڈور کو سلجھانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں جیسا کہ علامہ اقبال نے اس شعر میں کہا ہے ؎

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں ۔۔۔ میرے مولا مجھے صاحبِ جنوں کر

تو جو لوگ یہ سمجھنا چاہتے ہیں کہ یہ کائنات کیا ہے ! وجود کی حقیقت کیا ہے ! زندگی کی حقیقت، کیا ہے ! ہم کہاں سے آتے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں ۔!! وہ اگر اس غور و فکر میں اللہ تعالیٰ کی ذات کی یاد کا التزام نہیں کریں گے تو ان کا فکر کسی غلط سمت اور رُخ پر مڑ جائے گا ۔

سوال : ڈاکٹر صاحب آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ قرآن پاک کی جو طویل سورتیں ہیں ان کی ابتدا میں اور آخر میں وہ مضامین آتے ہیں جن کا ہماری اخلاقی اور عملی زندگی سے گہرا تعلق ہوتا ہے تو کیا ان سورتوں کے درمیان میں ایسے مضامین نہیں آتے جن کا تعلق ہماری اخلاقی، رُوحانی اور عملی زندگی

سے ہوتا ہے ۔ ؟

جواب : آپ نے اچھا کیا کہ یہ بات آپ نے پوچھ لی ۔ پہلے تو اس بات کی تصحیح کر لیجئے کہ میں نے یہ نہیں کہا کہ طویل سورتوں کے آغاز اور اختتام پر وہ مضامین آتے ہیں جن کا ہماری روحانی، اخلاقی اور عملی زندگی سے گہرا تعلق ہوتا ہے ۔ میں نے عرض کیا تھا کہ فواتح وخواتیم سُوَر میں نہایت جامع باتیں آتی ہیں اور ان کی بڑی اہمیت ہوتی ہے ۔ مثال کے طور پر میں نے عرض کیا تھا کہ جیسے کسی اچھی غزل کا مطلع اور مقطع بہت شاندار ہوتا ہے ۔ علاوہ ازیں ان مجالس میں اس سے پہلے بھی یہ بات آئی ہے کہ جب ہم قرآن مجید کی کسی آیت یا سورت یا کسی خاص مقام کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ اس کی خصوصی اہمیت ہے یا عظمت ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ دوسری آیات غیر اہم ہیں ۔ معاذ اللہ کوئی مسلمان ایسا کہنا تو کجا اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا ۔ میں اپنی بات کے مفہوم کو دوبارہ عرض کئے دیتا ہوں ۔ اس کو اچھی طرح سمجھ لیجئے ۔ میں نے عرض کیا تھا کہ اکثر طویل سورتوں کے آغاز اور اختتام پر بہت جامع آیات آتی ہیں ۔ یعنی جو مضامین ان سورتوں میں طویل مباحث کی صورت میں آتے ہیں تو ویسے بھی منطقی اور عقلی طور پر بھی اس بات کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ آخر میں انہیں sum up کیا جائے اور جامعیت کے ساتھ ان مضامین و مباحث کو تھوڑے الفاظ میں سمو کر ایک Lasting Impression قاری یا سامع کے ذہن پر قائم کیا جائے ۔ تو خواتیم سُوَر عموماً اس خصوصیت کے حامل ہوتے ہیں ۔

حضرات! اس مختصر نشست میں ان چھ عظیم آیات کے بارے میں جو تمہیدی اور ابتدائی باتیں آج ہمارے سامنے آئی ہیں ان کو اچھی طرح اپنے ذہنوں میں تازہ اور مستحضر رکھیئے تاکہ آئندہ نشستوں میں ہم کسی قدر تفصیل میں جائیں تو آپ کے ذہن میں یہ خاکہ موجود ہو ۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

توحید فی العلم یا توحید فی المعرفہ اور
توحید فی العمل یا توحید فی الطلب کا

فریضۂ اقامتِ دین

سے ربط و تعلق

ڈاکٹر اسرار احمد
کے خطابِ درس کی چوتھی قسط

دین اللہ اب تیسرے مسئلہ کی طرف آئیے۔ جب اللہ کو مان لیا جائے کہ مطاعِ مطلق وہی ہے — حاکمیتِ مطلقہ اسی کی ہے۔ جب تسلیم کر لیا جائے کہ بادشاہِ حقیقی صرف وہی ہے۔ قانون دینے کا اصل مجاز وہی ہے۔ شارعِ حقیقی وہی ہے۔ اس کے نمائندے کی حیثیت سے رسول ہیں لیکن اصلاً حکومت اللہ کی ہے۔ مطلقاً اطاعت اس کی ہے۔ اور یہ اطاعت بواسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہو گی۔ اس بات کو قرآن مجید میں واضح طور پر فرمایا گیا ہے کہ: مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ "جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی"۔ یہاں الرسول سے مراد ہیں جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ ایک جگہ فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ "اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اسی لئے بھیجا ہے کہ اذنِ الٰہی کی بنا پر اس کی اطاعت کی جائے"۔ اس آیت میں قاعدہ کلیہ کے طور پر یہ بات آ گئی ہے کہ اللہ کی اطاعت کا واسطہ رسول ہی ہوا کرتے ہیں۔

قرآن حکیم میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی حاکمیتِ مطلقہ کا مختلف اسالیب سے بیان ہوا ہے۔ وقت کی کمی کے لحاظ سے میرے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ میں ان سب کا احصاء کر سکوں۔ لہٰذا چند آیات پیش کرتا ہوں۔ سورۂ یوسف میں ایک جگہ حضرت یوسف علیہ السلام کی زبان سے کہلوایا گیا: اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ "فرماں روائی اور حکم دینے کا اختیار اللہ کے سوا کسی کے لئے نہیں ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔ یہی سیدھا

طریق زندگی ہے۔" اسی سورۂ یوسف میں دوسرے مقام پر حضرت یعقوب علیہ السلام کی زبان سے ادا کرایا گیا: اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ٥ "حاکمیت اللہ کے سوا کسی کی نہیں اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور جس کو (کسی پر) بھروسہ کرنا ہے تو اسے چاہیئے کہ اللہ ہی پر بھروسہ کرے۔" سورۂ انعام میں ایک دوسرے انداز سے اس بات کا اظہار فرمایا گیا کہ آگاہ ہو جاؤ حقیقی حاکمیت اللہ ہی کی ہے اور وہؐ (اپنی رعایا (انسان) کا) حساب لینے میں بڑا تیز ہے۔" اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ٥ حاکمیت صرف اللہ ہی کی ہے۔ لَهُ الْحُكْمُ قرآن مجید میں متعدد بار آیا ہے۔ مزید برآں یہ مضمون مختلف اسالیب سے قرآن مجید میں بار بار آیا ہے کہ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اور لَهُ الْمُلْكُ ــــ یہاں دونوں جگہ جو حرفِ جار لام آیا ہے یہ لامِ تملیک بھی ہے اور لامِ استحقاق بھی ــــ یعنی DE-FACTO AND DE-JURE اسیؐ کی بادشاہت ہے۔ اور یہ بادشاہت دنیا کے عام بادشاہوں کی طرح کی نہیں ہے۔ بلکہ اس شان سے ہے کہ وہ ہر چیز پہ کامل قدرت رکھتا ہے: تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ٥ نہایت بزرگ و برتر و بالا ہے وہ ہستی (اللہ) جس کے ہاتھ میں (کائنات) کی حکومت ہے اور وہؐ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔" وہ جو چاہے کر سکتا ہے اس کے آڑے آنے والا کوئی نہیں ہے۔

اللہ کی حاکمیتِ مطلقہ پر جو نظام بنے گا وہ دین اللہ ہوگا۔ آخری پارے کی مختصر سورت "سورۃ النصر" میں یہ اصطلاح آتی ہے۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ٥	"(اے نبی!) جب اللہ کی مدد آگئی اور
وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ	فتح نصیب ہوگئی تو آپؐ نے دیکھ لیا کہ لوگ
فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ٥	فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں"۔

ان آیات میں فتح مکہ کے بعد کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ جب جزیرہ نمائے عرب کے چہار اطراف سے قبائل پہ قبائل مدینۃ النبی میں چلے آ رہے تھے۔ اللہ کی اطاعت اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بحیثیت رسول اور اللہ کا نمائندہ تسلیم کر رہے تھے۔ آپ کا ہر حکم ماننے کے لئے آمادہ تھے اور اس طرح اسلام میں شامل ہو رہے تھے۔ گویا وہ دین اللہ میں داخل ہو رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں انسان کو عمل کی جو تھوڑی سی آزادی دی ہے اور اسے یہ اختیار دیا ہے کہ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا "چاہے شکر گزار بندہ بن کر رہے چاہے ناشکرا" تو اللہ کا مطالبہ یہ ہے کہ اپنی آزاد مرضی سے انسان اللہ کا مطیع، فرمانبردار، اطاعت گزار بن کر رہے

اور انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر گوشے میں اسی کی ہدایت پر عمل پیرا ہو۔ یہ ہے لفظ دین کا حقیقی مفہوم اور مُخۡلِصًا لَّهُ الدِّيۡنَ کا اصل تقاضا۔ اس کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے۔

ہر دین، غلبہ چاہتا ہے

جب یہ بات واضح ہو گئی کہ "دین" اس نظام زندگی کو کہتے ہیں جس میں انفرادی سے لے کر اجتماعی زندگی تک کُلی زندگی ایک مطاع کی اطاعت کے تابع ہو تو ایک حقیقت اور سمجھ لیجئے وہ یہ کہ ہر دین "اپنی فطرت کے اعتبار سے یہ چاہتا ہے کہ وہ قائم ہو اور غالب ہو۔ بادشاہ کا دین قائم و نافذ ہو تو بادشاہ کا دین کہلائے گا بادشاہ مغلوب ہو گیا تو پھر بادشاہ کا دین کہاں رہا! وہ تو ختم ہوا۔ جب تک بادشاہت قائم ہے جب تک دین الملک ہے ورنہ نہیں۔ جیسے آپ سورۂ زخرف میں دیکھئے جہاں فرعون کا قول نقل ہوا اس نے اپنی قوم کو منادی کرائی: وَنَادٰى فِرۡعَوۡنُ فِىۡ قَوۡمِهٖ قَالَ يٰقَوۡمِ اَلَيۡسَ لِىۡ مُلۡكُ مِصۡرَ وَهٰذِهِ الۡاَنۡهٰرُ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِىۡ۔ "اور فرعون نے اپنی قوم میں منادی کرائی اور کہا" اے میری قوم کے لوگو! کیا مصر کی بادشاہی میری نہیں ہے؟ اور کیا یہ سارا آب پاشی کا نظام میرے اختیار میں نہیں ہے؟" میں جس کو چاہوں پانی دوں جس کے لئے چاہوں پانی روک لوں۔ پھر سورۂ بقرہ میں اس محاجّہ کو دیکھئے جو نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیا تھا: اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِىۡ حَآجَّ اِبۡرٰهٖمَ فِىۡ رَبِّهٖۤ اَنۡ اٰتٰٮهُ اللّٰهُ الۡمُلۡكَ " (اے نبی) کیا آپ نے اس شخص (نمرود) کے حال پر غور نہیں کیا جس نے ابراہیمؑ سے جھگڑا کیا تھا ان کے رب کے بارے میں اس بنا پر کہ اللہ نے اسے حکومت دے رکھی تھی۔" اس حکومت کی بنیاد پر اس کو زعم ہو گیا تھا کہ مختارِ مطلق اور علی الاطلاق حاکم و بادشاہ وہ ہے۔ وہ بھی خدائی کا مدعی تھا۔" جب حضرت ابراہیم نے اس سے کہا کہ میرا رب وہ ہے جس کے اختیار میں زندگی اور موت ہے" اِذۡ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىۡ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ۔ تو وہ سرکش بولا۔ "زندگی اور موت میرے اختیار میں ہے" قَالَ اَنَا اُحۡىٖ وَاُمِيۡتُ۔ روایات میں آتا ہے کہ اس نے دو قیدی جیل سے بلوائے۔ ان میں سے ایک کو آزاد کیا کہ جاؤ تم بری ہو اور دوسرے کی دربار ہی میں گردن اڑوا دی اور حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ دیکھو میں نے ایک کو زندہ رکھا اور ایک کو مروا دیا۔ تو کیا میرے پاس زندگی و موت کا اختیار ہے کہ نہیں! حضرت ابراہیمؑ نے جب دیکھا کہ یہ تو کج بحثی پر آ گیا ہے تو انہوں نے آخری بات کہہ دی کہ "میرا رب تو وہ ہے جو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، طلوع کرتا ہے، تو ذرا اسے مغرب سے نکال لا" قَالَ اِبۡرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاۡتِىۡ بِالشَّمۡسِ مِنَ الۡمَشۡرِقِ فَاۡتِ بِهَا مِنَ الۡمَغۡرِبِ۔ اگر تجھے واقعی اختیار حاصل ہے تو یہ کر کے دکھا لیکن اس بات

پس وہ کافر مبہوت حیران اور ششدر ہو کر رہ گیا۔ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ط۔ وہ لاجواب ہو گیا، بغلیں جھانکنے لگا۔ جس طرح نمرود نے کہا تھا کہ زندگی اور موت میرے قبضہ میں ہے اسی طرح فرعون نے کہا تھا کہ اب پاشی کا نظام اور حکومت کا انصرام میرے ہاتھ میں ہے۔ اَلَیْسَ لِیْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ ــــ لہٰذا میرا حکم چلے گا۔ تو جب تک اس کا حکم چل رہا ہے تو دین الملک ہے یہ نہیں تو دین کہاں رہا! ختم ہو گیا۔ اسی طرح جب جمہور کو انتخاب کا حق حاصل ہے اور وہ اپنے نمائندوں پر مشتمل پارلیمان یا اسمبلی منتخب کرتے ہیں اور یہ منتخب پارلیمان جمہور کی حاکمیت کے اصول پر کاروبارِ حکومت چلاتی ہے تو جمہوریت بالفعل قائم ہے لیکن اگر کوئی فوجی سربراہ اپنے ساتھیوں کے تعاون سے اسمبلی یا پارلیمنٹ توڑ دے اور مارشل لاء نافذ کر کے بحیثیت چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر حکومت کا انتظام و انصرام اور جملہ اختیارات سنبھال لے تو جمہوریت کہاں رہی! دین الجمہور ختم ہو گیا۔ اس لئے کہ نظام تو وہی ہے جو بالفعل قائم ہو اور واقعتاً اس کے اختیارات کا سکہ چل رہا ہو۔ بالکل اسی طرح دین اللہ قائم و نافذ اسی وقت سمجھا جائے گا جب امرِ واقعی میں وہ نظام قائم ہو جس میں بالفعل اللہ ہی کو Supreme Authority مانا گیا ہو۔ Sovereign فی الحقیقت اللہ ہی کو تسلیم کیا گیا ہو۔ اسی کے احکام کے آگے سب کے سر جھکے ہوئے ہوں اور عملاً صورتِ حال یہ ہو کہ لِیَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الْعُلْیَا۔ اللہ کا کلمہ سب سے اونچا ہو جائے۔ اللہ کی بات، اس کا فرمان بالاترین ہو جائے۔ اور یہ ہو پورے نظامِ زندگی پر ــــ جزوی نہیں۔ کل کا کل نظام اللہ تبارک و تعالیٰ کی اطاعت میں جکڑا ہوا ہو۔

کامل غلبہ درکار ہے

جیسے کل میں نے بتایا تھا کہ انفرادی توحید جزوی مطلوب نہیں ہوتی بلکہ کلی مطلوب ہوتی ہے۔ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ۝ اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ ۝ پس بندگی کرو اللہ کی، پرستش کرو اللہ کی اطاعت کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے اور آگاہ ہو جاؤ اللہ کے لئے تو دینِ خالص مطلوب ہے۔" اللہ اس بات کے لئے تیار نہیں ہے کہ چلو آدھا دین میرا مان لو۔ کچھ اطاعت میری کر لو۔ آدھا دین کسی اور کا مان لو، اس کی اطاعت بھی کر لو۔ یہ طرزِ عمل درکار نہیں ہے۔ اللہ کا مطالبہ تو یہ ہے کہ کل کا کل دین۔ کامل اطاعت اسی کے لئے خالص ہو جائے اور دین میں انسان پورا کا پورا داخل ہو جائے۔ اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً۔ چنانچہ اس آیت کو نوٹ کیجئے جو سورۃ انفال کی آیت ہے کہ قتال کی آخری منزل کیا ہے؟ قتال و جہاد فی سبیل اللہ کا آخری ہدف کیا ہے!

فرمایا: وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ[1]
"(اے مسلمانو!) ان (کافروں اور مشرکوں) سے جنگ جاری رکھو یہاں تک کہ فتنہ و فساد بالکل فرو ہو جائے اور دین کل کا کل اللہ کے لئے ہو جائے"۔ یہ نہیں کہ اس کا کوئی جزو مان لیا جائے۔ مسجد میں تو اللہ کی مرضی چل رہی ہو، پارلیمنٹ میں نہ چلتی ہو۔ سپریم کورٹ اور ہائی کورٹس اور ماتحت عدالتوں میں نہ چلتی ہو۔ ذرائع ابلاغ میں نہ چلتی ہو بازار میں نہ چلتی ہو۔ منڈی میں نہ چلتی ہو۔ گھر میں نہ چلتی ہو۔ یہ تو معاذ اللہ تم نے اللہ کو ٹرخا دیا ہے۔ ایک بڑا ہی جزوی اور چھوٹا سا حصہ تو اس کو دیا ہے باقی سب دوسروں کو الاٹ کر دیا۔

تفریقِ دین

یہ ہے درحقیقت تفریقِ دین جس کے متعلق میں نے کل بھی کچھ عرض کیا تھا اور آج بھی شروع میں کہا تھا کہ ہمیں لفظِ دین کے ساتھ: وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ پر بھی گہرائی میں اتر کر غور کرنا ہوگا۔ خاص طور پر یہاں فِيْهِ قابلِ توجہ ہے۔ فَرَّقَ، يُفَرِّقُ تَفْرِيْقًا کے کیا معنی ہیں۔ ٹکڑے ٹکڑے کر دینا۔ علیحدہ علیحدہ کر دینا، پھاڑ دینا۔ دین ایک وحدت ہے۔ پورا نظامِ زندگی۔ انفرادی بھی اور اجتماعی بھی۔ ایک وحدت بن کر اللہ کے تابع آجائے تو یہ ہے دین اللہ۔ گویا کہ مکمل دین قائم ہوگیا۔ اگر یہ نہیں ہے اور حال یہ ہے کہ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ۔ دین کو پھاڑ دیا کچھ حصہ میں نے لے لیا، کچھ آپ نے لے لیا۔ کچھ کسی اور کو دے دیا۔ دین کے ٹکڑے کر دیئے کہ کچھ حصہ کو ہم مانیں گے کچھ کو نہیں مانیں گے۔ یہ ہے تفریقِ دین ـــ کل میں یہ آیت آپ کو سنا چکا ہوں کہ: اَلَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ "(اے محمدؐ) جو لوگ اس دین کے ٹکڑے کر دیں، اس کو پھاڑ دیں، اس کے حصے بخرے کر دیں اور خود تفرقے میں بٹ جائیں تو ایسے لوگوں سے آپؐ کا کوئی تعلق نہیں، ان سے آپؐ کو کوئی سروکار نہیں"۔ لرز جانا اور ڈرنا چاہیئے اس وعید سے کہ کس طور پر اللہ عزّ وجل ایسے لوگوں سے اعلانِ برأت فرما رہے ہیں جو اللہ کے اس دین میں جو تمام انبیاء و رسل کا دین ہے تفرقہ ڈالنے کی روش اختیار کریں کہ ان سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ فِيْهِ میں یہ مفہوم غالب ہے۔

---

[1] یہی وجہ تھی کہ مانعینِ زکوٰۃ سے خلیفہ اوّل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قتال کیا تھا۔ ان میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو زکوٰۃ کے منکر نہیں تھے البتہ مرکزی بیت المال کو زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ (مرتّب)

تفریقِ دین کا دوسرا مفہوم

اس کا ایک مفہوم اور بھی ہے جس کو میں کل بھی بیان کر چکا ہوں۔ وہ یہ کہ اقامتِ دین کے فریضہ کی ادائیگی کے لئے امت کو بنیانِ مرصوص بن جانا لازم ہے۔ فقہی مسائل میں رائے اور تعبیر کا اختلاف بالکل دوسری چیز ہے۔ یہ اختلاف صرف فقہ کے چار مشہور و معروف ائمہ کرام امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ یا سنی المسلک علماءِ کرام کے درمیان نہیں ہوا بلکہ صحابہ عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مابین بھی رہا ہے۔ یہ فقہی مسالک کے اختلافات اقامتِ دین کے فریضہ کی ادائیگی میں اگر روک بن جائیں، گروہ بندی ہونے لگے، من دیگرم تو دیگری والا معاملہ ہو جائے تو یہ وحدتِ ملی ہی کے لئے مہلک نہیں بلکہ اقامتِ دین کے فریضہ کی انجام دہی میں بھی رکاوٹ بن جائے گا۔ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ میں اس نوع کے تفرقے سے بچنے کا بھی نہی کے اسلوب میں حکم دیا گیا ہے۔ چونکہ فریضۂ اقامتِ دین کی ادائیگی کے لئے پوری امت کی اجتماعی قوت درکار ہے۔ دین دنیا کے صرف ایک حصہ پر قائم کرنا تو مطلوب نہیں بلکہ پورے کرۂ ارض پر اللہ کا دین قائم کرنے کی جدوجہد کرنی ہے۔ پوری دنیا کو نورِ توحید سے منور کرنا ہے۔ گروہ بندی اور تفرقہ بازی کیوں ہوتی ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے۔ اس کا ذکر اسی درس میں ایک آیت کی تصریح و توضیح میں آگے آئے گا۔

فقہی اختلافات حدود کے اندر ہوں تو تفرقہ نہیں

دین ایک ہو، اور وہ ہو دینِ توحید۔ اس کے تحت تفصیلی قوانین میں تھوڑا تھوڑا فرق ہو، تعبیر (Interpretation) کا فرق ہو، استنباط کا فرق ہو، اجتہاد کا فرق ہو لیکن توحید کا اصول سب کے نزدیک ایک ہی ہو تو جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا یہ تفرقہ نہیں ہے۔ ہمارے تمام فقہا اور سلفی المسلک ائمہؒ کے نزدیک اصول ایک ہی ہے کہ حکم دینے کا اختیار صرف اللہ کو ہے اور اس تعالیٰ کے نمائندے کی حیثیت اس تعالیٰ کے رسول کی ہے۔ اللہ اور رسول، یہ ہیں اصل ستون جن پر دین قائم ہے

وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ.

اس اصول کے تحت مختلف نئے مسائل میں استنباط کیا جا رہا ہے۔ ہر مجتہد اور ہر فقیہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے منشاء کے مطابق کسی نئے مسئلہ میں حکم تلاش کر رہا ہے۔ اس میں کچھ نہ کچھ فرق واقع ہو سکتا ہے۔

موجودہ دور کی ایک مثال

آپ کو معلوم ہے کہ بھٹو صاحب کے خلاف قتل کا مقدمہ جب سپریم کورٹ میں آیا۔ یہ مقدمہ تو پاکستان کی تاریخ کا ایک حصہ بنے گا تو اس کے باوجود کہ قانون ایک ہی ہے۔ نئی شہادتیں سپریم کورٹ میں پیش نہیں ہوئیں۔ وہ تو ہائی کورٹ میں مقدمہ کی جو مثل تیار ہوئی تھی اور اس پر جو فیصلہ ہوا تھا اسی پر بحث و تمحیص،

جرح و تعدیل ہوئی ہے۔ اس نوع کے مقدمات کے سابقہ فیصلوں اور نظائر سے استدلال و استشہاد ہوا ہے۔ مختلف شہادتوں کے مابین تضادات کی نشاندہی کرنے کی کوشش ہوئی ہے۔ مثل پر جو مختلف شہادتیں ریکارڈ ہوئی تھیں ان میں سے ہر شہادت میں تضاد تلاش کیا گیا۔ سابقہ فیصلے کے سقم بیان کئے گئے ہیں۔ ان تمام امور پر فریقین کے وکلاء نے بحث کی ہے اور اپنے اپنے دلائل دیئے ہیں۔ اب دیکھئے قانون ایک، ساری مثل ایک لیکن سپریم کورٹ کے جج صاحبان اختلاف کر رہے ہیں۔ اختلاف ہو سکتا ہے۔ جنہوں نے پھانسی کی سزا کا حکم دیا اور جنہوں نے بری کرنے کا فیصلہ دیا ان میں سے کسی نے اصول سے اختلاف نہیں کیا وہ سب قانون کو بھی تسلیم کر رہے ہیں لیکن شہادتوں سے استنباط و استدلال میں اختلاف کر رہے ہیں۔ یہ اختلاف ہوا۔ پوری دنیا کو معلوم ہے۔ کوئی یہ نہیں کہتا کہ فیصلہ کرنے والوں نے بدنیتی سے مختلف فیصلے دیئے ہیں۔ اور تو اور صرف دو جج ایک قانون کے تحت ایک ہی مقدمہ کو سنتے ہیں تو ان کی آراء میں بھی اختلاف ہو جاتا ہے۔

اصل الاصول

پس اختلاف شے دیگر ہے لیکن جہاں اصول بدل جائیں گے، وہ تفرقہ فی الدین ہو جائے گا۔ البتہ جب اصول یہ ہو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام واضح احکام یعنی نصوص قرآن و سنّت کی اطاعت اور تابعداری کی جائے گی۔ اور صرف اسی دائرے میں رہ کر جو اللہ اور اس کے رسولؐ نے مقرر کر دیا ہے معاملات طے کئے جائیں گے۔ تو یہ تفرقہ نہیں ہوگا بلکہ دین اللہ ہوگا۔

دین ہمیشہ سے ایک رہا ہے

دین ہمیشہ سے ایک ہی ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ دین جو حضرت آدم علیہ السلام کا تھا وہی دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ یہ دین ہے دینِ توحید — اللہ کو احد مان لینا۔ اسے وحدہٗ لا شریک لہٗ جان لینا۔ جب اس توحید کو آپ عملاً انفرادی زندگی میں لے آئیں گے۔ چونکہ صرف زبانی اقرار کافی نہیں ہے — تو وہ ہوگی اللہ کی عبادت کرنا، اپنی کل اطاعت کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے — اسی توحید کو جب آپ اجتماعی نظام کے ذیل میں لائیں گے تو یہ ہوگی پورے نظام زندگی کو اللہ کے حکم کے تابع کر دینا۔ یہ ہوگا اجتماعی طور پر عملی توحید کا برپا کر دینا یا دین اللہ کو بالفعل قائم کر دینا۔ یہ ہے اقامت دین۔
اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ

ایک غلط فہمی کا ازالہ

ہمارے ہاں جو فقہی اختلاف پائے جاتے ہیں۔ ان سب میں اصل الاصول توحید ہی ہے۔ مسلّماتِ دین سب کے نزدیک مشترک ہیں۔ سب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اطاعتِ مطلقہ کا سزاوار صرف ذات باری تعالیٰ ہے اور یہ اطاعت بواسطہ

رسولؐ ہوگی۔ جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت رسول اللہ مطاع ہیں۔ آپؐ کے احکام آپؐ کے فیصلے، آپؐ کی سنّت، آپؐ کے فرمودات واجب الاطاعت اور واجب اتباع ہیں بفحوائے آیاتِ قرآنیہ: مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ "جس نے بھی (محمدؐ) رسول اللہ کی اطاعت کی پس اس نے اللہ کی اطاعت کی"۔ اور وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝ "کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسولؐ کسی معاملہ کا فیصلہ کر دے تو پھر اُسے اپنے معاملہ میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔ سورۂ نساء میں فرمایا: فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ۔ " (اے محمدؐ) آپؐ کے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں آپؐ ہی کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں: علاوہ ازیں اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ کا حکم قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آیا ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اللہ کی اطاعت اور اس کے رسولؐ کی اطاعت دین کے دو عمود Pillars ہیں۔ جن پر دین توحید قائم ہے۔ لہٰذا تمام فقہاء اور ائمہ دین رحمۃ اللہ علیہم کا دین یہی دین توحید ہے۔ وہ چاہے امام ابوحنیفہؒ ہوں، امام مالکؒ ہوں امام شافعیؒ ہوں، امام احمد بن حنبلؒ ہوں۔ امام بخاری ہوں وغیرہم۔ کتاب وسنّت سے استدلال کرتے ہوئے جو تفاصیل طے کی جائیں گی تو بعض مسائل کے استنباط، تعبیر اور بعض میں اجتہاد و قیاس، راجح و مرجوح، افضل و مفضول کی آراء میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ اور ہوا ہے۔ ان ائمۂ عظام کے مابین معاذ اللہ دین کے معاملہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہ فقہی مذاہب اور مسالک ہیں۔ سب کا دین، دینِ اسلام ہے۔ مسلکوں کے اختلافات میں کوئی حرج نہیں۔ سب حق ہیں۔ دین میں تفرقہ درست نہیں ہے یہ تو کفر ہو جائے گا۔ اس بات کو اس طرح بھی سمجھ لیجئے اور فرض کیجئے کہ کسی ملک میں غالب اکثریت امام مالکؒ کے مسلک پر چلنے والوں کی ہے تو جب وہ اپنے ملک میں اللہ کا دین قائم کریں گے تو وہاں مالکی فقہ رائج ہو جائیگی۔ کسی جگہ پر احناف کی عظیم اکثریت ہے تو وہ جب اپنے یہاں اللہ کا دین قائم کریں گے تو وہاں فقہ حنفی نافذ ہوگی۔ وقس علیٰ ذالک: لیکن فقہ کے اختلافات کے باوصف سب کا دین ایک ہی ہوگا اور وہ ہوگا دینِ اسلام، دینِ توحید ـــــ اس بات کو آج اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ دین اور شریعت یا دین اور فقہ میں

کیا فرق ہے ! یہاں بات دین کی ہو رہی ہے۔ شریعت کی نہیں۔ دین کے معاملہ میں متفرق نہ ہو۔ اس پر جمے رہو۔ اللہ ہی کو مطاعِ مطلق ماننا ہے۔ اسیؐ کی حاکمیت تسلیم کرنی ہے۔ اسیؐ کی تابعداری اور فرمانبرداری کرنی ہے۔ اسیؐ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا ہے۔ اسؐ کی اور اسؐ کے رسولؐ کی اطاعت پر مبنی اپنا نظامِ حیات بنانا ہے۔ یہ ہے اقامتِ دین۔ اس کے بارے میں تفرقہ میں نہ پڑ جانا۔

دین اللہ کا قیام مشرکین پر بھاری ہوتا ہے

اس آیت مبارکہ میں آگے جو مضمون آرہا ہے اس کی تفہیم کے لئے مجھے تمہیداً کچھ باتیں عرض کرنی ہوں گی۔

نزولِ قرآن کا پس منظر اور تاویلِ خاص

دیکھئے قرآن مجید چونکہ ایک خاص دور میں نازل ہوا ۶۱۰ء عیسوی سے لے کر ۶۳۲ء عیسوی تک جناب محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم پر قرآن مجید کے نزول کا زمانہ ہے۔ دوسرے یہ کہ ایک خاص ملک یعنی عرب میں پورا کا پورا قرآن نازل ہوا۔ تیسرے یہ کہ قرآن مجید کے اوّلین مخاطب محمد رسول اللہ پھر آنحضور کے توسط سے اوّلین مخاطب وہی لوگ تھے جو عرب میں آباد تھے۔ لہذا قرآن حکیم کی ایک تفسیر اس انداز میں ہم کریں گے کہ جب فلاں آیت یا فلاں سورت نازل ہوئی تو اس خاص پس منظر (Immediate Spectacle) میں اس کا کیا مفہوم سمجھا گیا ! یہ ہو گی قرآن مجید کی تاویلِ خاص ـــــ ہمیں اس آیت یا آیات یا سورت کو اس خاص پس منظر میں رکھ کر غور کرنا ہو گا کہ یہ کب نازل ہوئی! کس مرحلہ پر نازل ہوئی ! اس وقت اس کا مفہوم کیا سامنے آیا۔ ! اس پر کیا عمل ہوا ـــ ! یہ ہو گی تاویل خاص ـــ

تاویلِ عام

لیکن ـــ یہ لیکن بہت اہم ہے اس کو غور سے سنیئے ! لیکن قرآن حکیم صرف اس دور کے لئے نازل نہیں ہوا۔ ابدالآباد تک کے لئے یہ قرآن ہدایت و رہنمائی ہے۔ صرف عربوں کے لئے نہیں پوری نوعِ انسانی کے لئے ہے۔ ھُدًی لِّلنَّاس ہے ـــ لہٰذا دوسری تاویل ہو گی تاویل عام ـــ جس کے لئے مفسّرین کا اصول یہ ہے کہ الاعتبار لعموم اللفظ لَا لخصوصِ السبب۔ خاص حالات جن میں آیتیں یا سورتیں نازل ہوئیں ان کو سامنے رکھ کر نہیں بلکہ الفاظ کو دیکھ کر ان کے عموم سے جو مطلب اخذ کیا جائے گا وہ قرآن مجید کا ابدی مفہوم و مطلب ہو گا۔

لیکن اس تاویلِ عام کے لئے ضروری ہے کہ تاویلِ خاص کو انسان سمجھ لے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ عام تاویل میں قرآن کے منشاء سے بہت دور چلا جائے۔ اس کا امکان ہے اور غالب امکان ہے۔ لہٰذا پہلے تاویلِ خاص کو اچھی طرح سمجھ لینا ضروری ہے۔ پھر یہ کہ حدود کے اندر رہتے ہوئے اس سے جو عام اصول نکل رہے ہوں یا استنباط کئے جاسکتے ہوں تو ان کو پلّے باندھ لینا چاہیئے کہ یہ ہے قرآن مجید کی ابدی رہنمائی ـــــ یہ ربط و تعلق ہے تاویلِ خاص اور تاویلِ عام کا۔

اب آپ تاویلِ خاص کے اعتبار سے اس پس منظر کو دیکھئے کہ جب یہ آیت نازل ہو رہی ہے، کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مخاطبو! جن تک حضور دعوتِ توحید پہنچا رہے ہیں۔ یا اے محمدؐ کے نام لیواؤ! جنہوں نے اس دعوتِ توحید پر لبیک کہا ہے، اسے قبول کر لیا ہے "تمہارے لئے ہم نے وہی دین مقرر کیا ہے جو حضرت نوحؑ کو دیا۔ حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ کو دیا علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام اور جواب ہم نے وحی کیا ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب۔" اور تمہارا فرض کیا ہے؟ "یہ کہ اس دین کو قائم کرو اور اس کے بارے میں تفرقہ میں نہ پڑو"ـــــ اب سمجھئے کہ کون کون لوگ اس وقت عرب میں تھے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطبین تھے۔

اوّلین مخاطب مشرکینِ عرب

سب سے پہلے مخاطب تو مشرکینِ عرب تھے جو ہدایتِ ربّانی سے بہت دور جا چکے تھے۔ ان کے پاس کوئی آسمانی ہدایت کوئی آسمانی کتاب موجود نہیں تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اکثر و بیشتر عرب حضرت اسمٰعیل کی اولاد ہیں۔ یہ عربِ مستعربہ کہلاتے ہیں۔ ان میں کچھ عربِ عاربہ ہیں، اصل عرب کے پرانے رہنے والے۔ اس لئے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام تو اصل عرب کے رہنے والے نہیں تھے۔ وہ تو حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے بڑے بیٹے ہیں جن کا اصل وطن تو عراق تھا۔ جنہوں نے حضرت اسمٰعیلؑ کو عرب میں آباد کیا تھا۔ بفحوائے آیتِ قرآنی: رَبَّنَآ اِنِّیۡٓ اَسۡكَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِكَ الۡمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوةَ۔ لہٰذا حضرت اسمٰعیلؑ خود اور ان کی ذریت عربِ مستعربہ کہلاتی ہے۔ یعنی عرب بن گئے ہیں اصل عرب نہیں ہیں۔ یمن وغیرہ سے جو قبائل نکلے وہ اصل عرب ہیں۔ مدینہ میں اوس و خزرج کے جو دو قبیلے تھے یہ اصلاً یمنی تھے۔ جو وہاں آکر آباد ہوئے تھے ان کا تعلق عربِ عاربہ سے تھا۔ ایک تو یہ قبائل ہیں۔ لیکن ان پر اور عرب کے تمام قدیم قبائل پر حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السّلام کا اتنا اثر ہوا کہ ان سب لوگوں نے اپنے آپ کو دینِ ابراہیمی پر ہی قرار دے دیا۔ حضرت ابراہیم کا ایک لقب حنیف بھی ہے۔ قرآن میں بھی آں جنابؑ کے ساتھ

یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ لہٰذا تمام عرب خود کو ملّتِ حنیفی پر عمل پیرا قرار دیتے تھے اور بنی اسمٰعیل کہلاتے تھے۔ پھر چونکہ حضرت ابراہیم کی نسل میں حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد نبی کوئی نہیں آیا اور وقفہ کتنا ہے، آپ کو اندازہ ہونا چاہیے۔ وہ ہے قریباً ڈھائی ہزار برس۔ اس عرصہ کے دوران کوئی نبی نہیں، کوئی رسول نہیں، کوئی کتاب نہیں ـــــ نبی آئے، رسول آئے، کتابیں نازل ہوئیں ہدایت الٰہی کا سلسلہ جاری رہا لیکن دوسری نسل میں جو حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسحٰق علیہ السّلام سے چلی اور جو فلسطین کے علاقے میں آباد ہوئی۔ حضرت اسحٰق نبی ان کے بعد ان کے بیٹے حضرت یعقوب نبی ہیں۔ ان کے بارہ بیٹوں میں سے حضرت یوسف نبی ہیں علیہم السّلام چونکہ حضرت یعقوبؑ کا لقب اسرائیل تھا لہٰذا اب یہ بنی اسرائیل کہلائے۔ اب نبوّت و رسالت کا سلسلہ اس نسل میں چلتا رہا۔ ان ہی میں حضرت موسٰی ہیں۔ حضرت داؤد ہیں، حضرت سلیمان ہیں، علیہم السّلام۔ ان ہی میں سے حضرت عزیر ہیں، حضرت زکریا ہیں، حضرت یحیٰی ہیں اور بے شمار نبیوں کا سلسلہ ہے جن کا ذکر تورات میں ہے۔ علٰی نبیّنا وعلیہم الصّلوٰۃ والسّلام ـــ اور اس سلسلہ کے آخری نبی و رسول ہیں حضرت عیسٰی روح اللّٰہ علیہ السّلام۔

بعثتِ محمدی علٰی صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام کے موقع پر عرب میں عربوں کے یہ دو گروہ عرب مستعربہ اور عرب عاربہ موجود تھے۔ جو اپنے آپ کو حضرت اسمٰعیل کی طرف منسوب کرتے تھے۔ وہ دین اور توحید سے بہت دور جا چکے تھے۔ کہنے کو وہ کہتے تھے کہ ہم حضرت ابراہیمؑ کے پیروکار ہیں لیکن بدترین شرک میں مبتلا تھے۔ بت پرستی، ستارہ پرستی ان کے یہاں ہو رہی ہے، فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیا ہوا ہے۔ توحید کی کوئی رمق ان میں باقی نہیں۔ حضرت ابراہیمؑ حج کے جو مناسک ان کے یہاں چھوڑ گئے تھے ان میں بھی رد و بدل کر لیا ہے۔ مادرزاد برہنہ ہو کر طواف کرنے کو بڑی نیکی کا کام سمجھ رہے ہیں۔ نہ معلوم ان کے یہاں اور کیا کیا خرافات آگئی ہیں۔ عربوں کے یہ دو گروہ ہیں۔ جن کو قرآن مجید کہتا ہے اُمّیّین اور مشرکین۔

دوسرے مخاطبین: اہل کتاب

دوسرا گروہ جو مخاطب تھا وہ نسل حضرت ابراہیمؑ کے دوسرے بیٹے حضرت اسحٰقؑ سے چلی تھی جن کے بیٹے حضرت یعقوبؑ جن کا لقب اسرائیل تھا سے اس کا نام بنی اسرائیل پڑ گیا تھا۔ یہ بھی آگے چل کر دو حصّوں میں تقسیم ہو گئی۔ ایک وہ جو حضرت موسٰیؑ اور ان کے بعد آنے والے نبیوں کو تو مانتے تھے لیکن حضرت عیسٰیؑ کا انکار کرتے تھے۔ یہ کہلائے یہود۔ دوسرے وہ جو حضرت عیسٰیؑ پر بھی ایمان رکھتے تھے کہ انجاب

اللہ کے نبی و رسول تھے۔ البتہ ان کی اکثریت نے حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا بھی قرار دے رکھا تھا۔ وہ کہلائے **نصاریٰ** (عیسائی) ـــ یہ دونوں گروہ بھی عرب میں آباد تھے۔ یہود کے مدینہ میں تین قبیلے تھے۔ خیبر میں ان یہود کا بہت بڑا گڑھ تھا۔ نجران میں نصاریٰ آباد تھے۔

مخاطب دو جماعتیں

لہٰذا بعثتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے وقت عرب میں دو جماعتیں تھیں۔ ایک تو وہ جو دین سے بہت بعید 'جاہل'۔ ان کے پاس نہ شریعت نہ کوئی آسمانی کتاب اور بدترین شرک میں مبتلا۔ دوسری جماعت وہ تھی جن کے پاس آسمانی کتاب بھی تھی گو وہ کافی محرّف ہو چکی تھی اور شریعت بھی تھی۔ کم از کم یہود شریعت رکھتے تھے گو کہ اس میں بھی کافی تحریف ہو چکی تھی۔ ان کے یہاں علماء تھے، فضلاء تھے، مفتی تھے، قاضی تھے۔ ان کا سارے کا سارا نظام برقرار تھا۔ اسی طریقہ سے نصاریٰ تورات کو بھی مانتے تھے اور ان کے پاس انجیل بھی تھی گو اس میں بھی کافی تحریف ہو چکی تھی۔ ان کے یہاں بھی بڑے بڑے علماء تھے، احبار بھی تھے اور رہبان بھی۔ ان دونوں طبقوں کو ذہن میں رکھئے۔ اب اس پس منظر میں دعوتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ جو معاملہ ہو رہا ہے اسے سمجھئے!

دعوتِ محمدیؐ کی مخالفت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعوت شروع کی اور آپؐ نے دیکھا کہ لوگ اس مطابق فطرت دعوت کو قبول نہیں کر رہے، ایمان نہیں لا رہے، مخالفت ہو رہی ہے، کشمکش ہو رہی ہے، مٹھی بھر جو سعید روحیں ایمان لے آئی ہیں، ان پر تشدد ہو رہا ہے۔ ان کو شدید ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ حالانکہ اسی مکہ کے رہنے والے اجرائے وحی اور آغاز دعوتِ توحید سے قبل آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہائی محبت کرتے تھے۔ الصادق کا خطاب حضورؐ کو کس نے دیا؟ الامین حضورؐ کو کس نے قرار دیا! ان ہی مکہ والوں نے۔ وہ تو آپؐ کے قدموں تلے اپنی آنکھیں بچھاتے تھے۔ لیکن ہوا یہ کہ جب آں حضورؐ نے دعوت توحید شروع کی تو وہی مکہ والے جو جان چھڑکتے تھے۔ اب وہی خون کے پیاسے ہو گئے۔

بنو ہاشم کی حمایت

وہ تو ابوطالب کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت محبت تھی طبعی اور قلبی محبت۔ وہ اگرچہ ایمان نہیں لائے تھے لیکن اس محبت کی وجہ سے آنحضورؐ کو ان کی حمایت حاصل تھی۔ ابوطالب چونکہ بنو ہاشم کے قبیلہ کے سردار تھے۔ لہٰذا قبائلی دستور کے مطابق پورا قبیلہ سردار کے ساتھ تھا۔ چنانچہ بنو ہاشم کی جو قریش کا سب سے بااثر قبیلہ تھا، حضورؐ کو حمایت حاصل تھی۔ اس لئے قریش کو نبی اکرمؐ کے خلاف کوئی براہِ راست اقدام کی جرأت نہیں

ہوئی۔ قریش جانتے تھے کہ اگر ہم نے محمد کو نقصان پہنچایا (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اس نظام کے تحت بنو ہاشم کا پورا قبیلہ خون کا بدلہ لینے کے لئے اٹھ کھڑا ہوگا۔ چاہے وہ ایمان لایا نہ ہوتا۔ اس طرح ایک خون ریز خانہ جنگی شروع ہو جائے گی جس کا وہ تحمل نہیں کر سکتے۔ پورے عرب میں ان کا رعب اور دبدبہ قریش کے تمام قبیلوں کے متحد ہونے کے سبب سے تھا۔ آپس کی جنگ ان کے لئے بڑی نازک صورت حال پیدا کر دیتی اور حال یہ ہوتا کہ ___ A house divided Amongst itself can not stand ___ قریش کو اندیشہ تھا کہ اگر ہمارے مابین تفرقہ ہو گیا تو ہماری ہوا خیزی ہو جائے گی۔ اس لئے وہ آں حضورؐ کے خون کے پیاسے ہونے کے باوجود آپؐ کی جان لینے کی ہمت نہیں کر سکتے تھے لیکن مخالفت شدید تھی اور طرح طرح سے نبی اکرمؐ اور آپؐ کے اصحابؓ کو تکلیفیں پہنچانے کا سلسلہ جاری تھا۔

اہلِ کتاب کی مخالفت

دوسری طرف دعوتِ توحید قبول کرنے کی توقع اہلِ کتاب سے ہو سکتی تھی کہ چلو قریش تو جاہل ہیں ان کے پاس کتاب نہیں، شریعت نہیں، وحی کا نور ہے ہی نہیں۔ لیکن یہ تو وہ لوگ ہیں جن کے پاس کتاب بھی ہے شریعت بھی ہے، دین کا علم بھی ہے۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے جو نبی آخر الزماں کے منتظر تھے، ان کی بعثت کے لئے دعائیں مانگا کرتے تھے کہ اے اللہ تیرے آخری نبی کے ظہور کا وقت کب آئے گا۔ یہود کی جب اصل عربوں سے لڑائی ہوتی تھی تو وہ مار کھاتے تھے، پٹتے تھے۔ جیسے آپ کو معلوم ہے کہ سرمایہ دار تو مار کھاتا ہے جس طریقے سے ہندوستان میں مسلمان چاہے تھوڑے ہوتے تھے، اقلیت میں ہوتے تھے لیکن جب فساد ہوتا تھا تو بنیا مار کھاتا تھا۔ یہی معاملہ یہودیوں کا ہوتا تھا۔ وہ طبعی طور پر بزدل تھے لہٰذا وہ مار کھاتے تھے۔ لیکن جب وہ پٹتے تھے تو کہا کرتے تھے کہ ٹھیک ہے اس وقت تو ہم تم سے پٹ گئے ہیں لیکن آخری نبی کے ظہور کا وقت قریب ہے، جب ہم ان کی زیر قیادت تم سے جنگ کریں گے تو تم ہم پر غالب نہیں آسکو گے ___ یثرب میں رہنے والے اوس و خزرج کے عرب قبائل کو وہ دھمکیاں دیا کرتے تھے ___ یہود کی یہی دھمکیاں جس کو Irony of Fate کہیں گے، مدینہ والوں کے ایمان لانے میں سبقت کا ذریعہ بن گئیں۔ انہوں نے سن رکھا تھا کہ ہمارے یہاں یہود کے بڑے بڑے علماء ہیں، وہ یہ کہا کرتے ہیں کہ آخری نبی کے ظہور کا وقت ہے۔ لہٰذا جیسے ہی رات کی تاریکی میں مکہ کی وادی عقبہ میں مدینے سے آئے ہوئے چھ اشخاص کی نبی اکرمؐ سے ملاقات ہوئی۔ آپؐ تبلیغ کے لئے گشت فرما رہے تھے۔ آپؐ نے

دیکھا کہ وادی عقبہ میں چھ آدمی پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں۔ آپؐ نے ان کے سامنے دعوتِ توحید پیش فرمائی۔ ان لوگوں نے ایک دوسرے کو کنکھیوں سے دیکھا کہ کہیں نہ ہوں یہ وہی نبی ہیں جن کی بعثت کا یہود ذکر کیا کرتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے طے کیا کہ ہم سبقت کرکے آپؐ کے ہاتھ پر ایمان لے آئیں کہیں ایسا نہ ہو کہ یہودی سبقت کر جائیں۔ یہود کی دی ہوئی خبروں کے ذریعے سے ان چھ حضرات کو تو ہدایت حاصل ہو گئی اور یہ ایمان لے آئے لیکن یہود کے علماء کا حال وہ رہا جس کے متعلق قرآن مجید کہتا ہے: یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ۔ یہ اگرچہ محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کو اور قرآن مجید کو اچھی طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں لیکن اس کے باوجود آں حضورؐ کی دشمنی میں یہود سب سے آگے بڑھ گئے ـــــ وجہ یہ تھی کہ ان کا خیال تھا کہ نبی آخر الزمان ان میں سے مبعوث ہوں گے۔ ڈھائی ہزار برس سے نبوت ہمارے ہاں چلی آ رہی ہے۔ یہ تار کبھی ٹوٹا ہی نہیں لیکن ان کی توقع کے خلاف بنی اسمٰعیل میں خاتم النبیین و المرسلین کا ظہور ہو گیا۔ یہ بات ان کے لئے بہت بڑی آزمائش بن گئی کہ ہم بنی اسمٰعیل کے ایک فرد کے آگے کیسے جھک جائیں۔! وہ تو اُمّی قوم ہے، ان پڑھ قوم ہے، ان میں دین نہیں، ان کے پاس کوئی علم نہیں۔ یہ نبی کہیں سے فارغ التحصیل نہیں۔ ان کے پاس کسی دار العلوم کی سند نہیں۔ ان کے پاس کسی صاحبِ علم کی جانب سے کوئی Testimonial نہیں ـــــ ہم ان کو نبی کیسے مان لیں۔! ہم تو پھر بہت گھٹیا ہو جائیں گے۔ ہماری علمیت، ہماری سیادت، ہماری قیادت ختم ہو جائے گی۔ ان کا یہ استکبار اور پندار ان کے قبولِ حق کی راہ میں آڑے آ گیا ـــــ!!!

نبیؐ اکرمؐ کو تشویش

یہ ہے پس منظر ـــ اس آیت کے اگلے حصّہ کے بین السطور کا ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نبی اکرمؐ اپنی دعوت کے نتیجے کو دیکھ کر کچھ تشویش میں ہیں کہ لوگ کیوں ایمان نہیں لا رہے! آخر انہیں کیا ہو گیا ہے! میری دعوت کتنی صاف اور سادہ ہے۔ کتنی مطابقِ فطرت ہے۔ انسان کی فطرت کی بدیہیات کو اپیل کرنے والی ہے ـــ! پھر کیا وجہ ہے کہ لوگ ایمان نہیں لا رہے ـــ؟ اس پس منظر کو پیشِ نظر رکھئے اور اگلے حصّے کو پڑھئے۔ فرمایا:-

كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ؕ

"اے محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) بہت بھاری ہے مشرکین پر وہ چیز جس کی طرف

آپؐ انہیں بلا رہے ہیں۔ دعوت دے رہے ہیں۔"

آپؐ اسے سادہ بات سمجھ رہے ہیں۔ حالانکہ دعوتِ توحید ان کے رائج نظام کو درہم برہم اور تلپٹ کر دینے والی ہے۔ ان کا تو پورا نظام شرک پر قائم ہے، ان کے مفادات اس کے ساتھ وابستہ ہیں۔ ان کی چودھراہٹیں اس مشرکانہ نظام کی رہینِ منت ہیں۔

مشرکانہ نظام سے وابستہ مفادات

اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ہزار دعوتِ توحید مطابقِ فطرت ہو لیکن اس کے جو لوازم، مقتضیات اور متضمنات ہیں ان کو وہ لوگ خوب سمجھتے ہیں جو مشرکانہ نظام میں قیادت و سیادت کے مناصب پر فائز ہوتے ہیں۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ اس دعوتِ توحید کی ان کے مفادات پر کہاں کہاں ضرب پڑتی ہے! دیکھئے اگر کسی بت کا استھان ہے اور لوگ وہاں آکر چڑھاوے چڑھاتے ہیں تو کیا وہ بت کے پیٹ میں جاتے ہیں؟ وہ تو مجاوروں کے پیٹوں میں جاتے ہیں۔ وہاں کے جو پجاری اور Priests ہیں سارے چڑھاوے تو ان کو مل رہے ہیں۔ کہنے کو وہ بت پر چڑھاوا ہے۔ اسی طور پر جو چڑھاوے قبروں پر چڑھائے جاتے ہیں، ان کے متعلق آپ نے کبھی سوچا کہ وہ جاتے کہاں ہیں؟ وہ سب مجاوروں اور گدی نشینوں کے پاس جاتے ہیں۔ وہ تو جب سے محکمہ اوقاف قائم ہوا ہے تو ایسی درگاہوں پر مقفل صندوق رکھ دیئے گئے ہیں کہ نقد نذر و نیاز ان میں ڈالی جائے۔ لیکن شاید آپ کو معلوم ہو کہ جب محکمہ اوقاف کا نظام زیرِ ترتیب تھا اسی دوران بڑی بڑی درگاہوں کے جو حضرات پشتی سجادہ نشین تھے، وہ ان زمینوں کو جو درگاہوں اور مقبروں کے نام وقف تھیں، اپنے ناموں پر منتقل کرا چکے تھے۔ اصل دولت تو محکمہ اوقاف کے سرگرم عمل ہونے سے قبل ہی وہاں سے جا چکی تھی۔ یہ بڑے بڑے پیر جو بڑے بڑے زمیندار اور وڈیرے بنے نظر آتے ہیں یہ کہاں سے بنے ہیں۔ انہی زمینوں کی بدولت بنے ہیں جو ان مقبروں اور درگاہوں کے نام وقف کی گئی تھیں اور اب وہ ان کی ذاتی ملکیت بنی ہوئی ہیں ــــ پس معلوم ہوا کہ شرک کا پورا نظام ہوتا ہی ہے مفادات کا ــــ اس نظام میں تو صرف اوپر کی دکھاوے کی چیزیں ہوتی ہیں کہ یہ منادر و مقابر ہیں ــــ یہ دیوتا اور دیویوں کے استھان ہیں۔ یہ اولیاء اللہ کی قبور ہیں۔ اصل مقصد تو ان ناموں، ان استھانوں اور ان درگاہوں کی آڑ میں قیادت و سیادت اور حصولِ دولت ہوتا ہے۔ سومنات کے مندر کے اندر جو دولت تھی وہ کس کی ملکیت تھی! وہاں کے پجاریوں کی ملکیت تھی۔ لہٰذا مشرکین کبھی برداشت نہیں کر سکتے

تھے کہ نظام توحید قائم و نافذ ہو ۔

آیت کے اس حصّہ کے بین السطور نبی اکرمؐ کو تسلّی و تشفّی دی جارہی ہے کہ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ٹھیک ہے کہ آپؐ جو دعوت دے رہے ہیں وہ فطرت کے مطابق، عقل کے مطابق اور بالکل سیدھی بات ہے۔ توحید سے بڑھ کر سیدھی بات اور کونسی ہوگی! توحید کے سوا مطابق فطرت بات کونسی ہوگی! توحید سے بڑھ کر مطابقِ عقل بات کونسی ہوگی! لیکن کسی بات کا مطابقِ فطرت و عقل ہونا اس کے قابلِ قبول کرنے کے لئے کافی نہیں۔ یہاں تو مسئلہ آتا ہے مفادات کا، چودھراہٹ کا، اس بات کا کہ مسند اور سجادہ محفوظ رہتا ہے کہ نہیں! وجاہت اور قیادت پر تو آنچ نہیں آرہی اور ظاہر بات ہے کہ دعوتِ توحید ان تمام بتوں کو خواہ وہ مٹی اور پتھر کے ہوں، خواہ مفادات، قیادت، سیادت کے ہوں توڑ پھوڑ کر اور ملیا میٹ کر کے رکھ دیتی ہے۔ لہٰذا مشرکین پر یہ دعوت بہت بھاری ہے۔ یہ اسے آسانی سے ہرگز برداشت نہیں کر سکتے۔ لہٰذا فرمایا:

كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ؕ

اضطراب کا فطری سبب

میں نے کئی بار عرض کیا ہے کہ ایک کریم و شریف النفس انسان جبکہ رسالت کی ذمّہ داری بھی اس کے سپرد ہو یہ سوچتا ہے کہ کہیں میرے اندر تو کوئی نقص نہیں! لوگ جو ایمان نہیں لا رہے تو میری کوشش میں تو کوئی کمی نہیں میری محنت میں تو کوئی کوتاہی نہیں۔! دعوت دینے کے میرے انداز میں تو کوئی خامی نہیں۔ انبیاء اور رسل علیہم السّلام تو اس بارے میں بے نہایت تشویش میں مبتلا ہوتے ہیں چونکہ ان کو یہ ضابطہ الٰہی معلوم ہوتا ہے کہ: فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ "پس یہ لازماً ہو کر رہنا ہے کہ ہم ان لوگوں سے باز پرس کریں گے کہ جن کی طرف ہم نے رسول بھیجے ہیں اور رسولوں سے بھی پوچھیں گے"۔ یعنی یہ کہ انہوں نے رسالت کے فرضِ منصبی کو کہاں تک اور کس طرح انجام دیا اور انہیں اس کا کیا جواب ملا۔ لہٰذا حضورؐ کو یہ تشویش ہوتی تھی کہ کہیں میری کوئی کوتاہی نہ ہو جس کے باعث مجھے اللہ کے ہاں جواب دہی کرنی پڑ جائے ۔

نبی اکرمؐ کی دلجوئی

قرآن مجید میں بار بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مختلف اسالیب سے جو تسلّی دی گئی ہے اور آپؐ کی جو دلجوئی کی گئی ہے وہ اسی لئے کہ آں حضورؐ لوگوں کے ایمان نہ لانے پر تشویش میں مبتلا ہو کر اپنی جان کو نہ گھلائیں: لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ • (اے نبی!) شاید آپؐ رنج، صدمے، تشویش اور غم میں اپنی جان کھو دیں گے کہ یہ لوگ ایمان

(کیوں) نہیں لاتے"۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ فَاِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ ○ وَمَآ اَنْتَ بِھٰدِ الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِھِمْ ط "(اے نبیؐ) آپؐ مُردوں کو نہیں سنا سکتے نہ بہروں تک اپنی دعوت (اپنی پکار) پہنچا سکتے ہیں جو پیٹھ پھیر کر بھاگے جا رہے ہوں اور نہ ہی آپؐ اندھوں کو سیدھا راستہ بتا کر بھٹکنے سے بچا سکتے ہیں ـــــ یہ وہ لوگ ہیں جو اس حد تک پہنچ چکے ہیں کہ: خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ ـــ " (ان کے کفر پر اڑے رہنے کے باعث) اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے۔ ان کے کانوں اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے"۔ بظاہر یہ چلتے پھرتے نظر آ رہے ہیں لیکن حقیقت میں یہ مر چکے ہیں۔ ان کی معنوی موت واقع ہو چکی ہے۔ بظاہر ان کے پاس سماعت بھی ہے بصارت بھی ہے لیکن معنوی اعتبار سے یہ بہرے اور اندھے ہیں۔ یہ چلتے پھرتے مقبرے ہیں۔ یہ چلتے پھرتے حیوانات ہیں۔ ان کے اندر کا انسان مر چکا ہے ـــــ آپؐ کی تبلیغ و دعوت میں کوئی کمی نہیں ہے لہٰذا آپؐ تشویش نہ کریں۔ آپؐ یہ فکر دامن گیر نہ کریں کہ یہ ایمان کیوں نہیں لا رہے ـــ !! اس تمام پس منظر، تشریح و توضیح کو پیش نظر رکھ کر آپؐ آخری بار پھر آیت کے اس حصہ کو دیکھئے کہ:

كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ط

(جاری ہے)

ؔ اس موقع پر سورۃ النساء کی آیت نمبر ۴۱ بھی پیش نظر رہے۔ روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرمؐ نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے قرآن سنانے کی فرمائش کی اور وہ جب اس آیت پر پہنچے تو حضورؐ نے فرمایا: حَسْبُکَ حَسْبُکَ ـــ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ "اس موقع پر جب میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو حضورؐ کی آنکھوں میں آنسو تھے" یہ اس فرضِ منصبی کی گہرائی کا گہرا احساس تھا جو آنحضرتؐ کے سپرد کیا گیا تھا۔ آیت یہ ہے: فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ بِشَھِیْدٍ وَّجِئْنَا بِکَ عَلٰی ھٰٓؤُلَآءِ شَھِیْدًا ○ "اے نبی غور کیجئے کہ اس روز کیا ہو گا جب ہم ہر اُمت پر (اس کے رسول کو) بطور گواہ لائیں گے اور (اے نبی) آپؐ کو ان سب پر گواہ کی حیثیت سے کھڑا کریں گے"۔ (مرتب)

عن انسؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

قال

لایؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ

(رواہ البخاری)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، تم میں سے ایک شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہ چیز پسند نہ کرے جسے وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

رشید جیولری ہاؤس

لاہور

ٹمپل روڈ — سوہا بازار

۳۰۴۳۳۳ — ۳۱۱۴۴۰   ۶۴۴۳۳ — ۵۶۴۷۹

پروپرائٹر

اے وحید

ملک اقبال واحد

اسلام میں عملی زندگی

ارشادات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

ایمان باللہ اور اس کے تقاضے

اہمیت و مقام

حضرت عثمان رضؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس حال میں مرا کہ وہ یقین رکھتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تو وہ جنت میں جائے گا۔" (مسلم)

مدارِ نجات

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے روایت ہے کہ "میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ہمارے دین میں مدارِ نجات کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا جو اس بات کی گواہی دے کہ خدا کوئی نہیں، مگر اللہ تعالیٰ۔ بس یہی اس کے لیے باعثِ نجات ہے۔" (دارقطنی)

اللہ کا ہمہ وقتی احساس

حضرت عبادہ بن صامت رضؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ:

"آپؐ نے فرمایا سب سے افضل ایمان یہ ہے کہ تو اس بات کا یقین رکھ کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی ذات تیرے ساتھ ہے۔ جہاں بھی تو ہو۔" (طبرانی)

اللہ کا ڈر

حضرت ابوذر غفاری رضؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جہاں ہو جس حال میں ہو خدا سے ڈرتے رہو اور ہر برائی کے پیچھے نیکی کرو وہ اس کو مٹا دے گی اور اللہ کے بندوں کے ساتھ

حُسنِ اخلاق کے ساتھ پیش آؤ" (مسند احمد)

صرف اللہ سے حاجت روائی

حضرت انس رضؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کو چاہیئے کہ اپنی تمام حاجتیں اللہ تعالیٰ سے مانگا کرو۔ یہاں تک کہ اگر چپل کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ تعالےٰ سے مانگو"
(ترمذی)

اللہ ہی کے لیے محبّت ونفرت

حضرت معاذ بن جبل رضؓ سے روایت ہے کہ" میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کے افضل اور اعلیٰ درجے کے متعلق سوال کیا کہ وہ کیا ہے اور اسے کس ذریعہ سے حاصل کیا جاسکتا ہے ؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ یہ کہ بس اللہ ہی کے لیے تمہاری کسی سے محبت ہو اور اللہ ہی کے لیے دشمنی ہو۔ اور دوسرے یہ کہ تم اپنی زبان کو اللہ کے ذکر و یاد میں لگائے رکھو اور یہ کہ دوسروں کے لیے بھی وہی چاہو جو اپنے لیے چاہتے ہو"
(مسندِ احمد)

اللہ کی اطاعت

حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضؓ سے روایت ہے کہ" رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ اے لڑکے تُو اللہ کے احکام کا خیال رکھ۔ اللہ تعالیٰ تیرا خیال رکھے گا۔ اور دنیا و آخرت کی آفات سے تیری حفاظت کرے گا۔ تُو اللہ کو یاد رکھ جیسا کہ یاد رکھنا چاہیئے تو اس کو اپنے سامنے پائے گا۔ اور جب تو کسی چیز کو مانگنا چاہے تو بس اللہ سے مانگ۔ اور جب کسی ضرورت میں مدد کا محتاج ہو تو اللہ سے اعانت طلب کر اور اس بات کو دل میں بٹھالے کہ اگر ساری دنیا بھی متفق ہو کر تجھے کسی چیز سے نفع پہنچانا چاہے تو اسی قدر نفع پہنچا سکے گی جو اللہ تعالےٰ نے تیرے لیے مقدّر کر دیا ہے۔ اور اگر ساری دنیا مِل کر تجھے نقصان پہنچانا چاہے تو صرف اسی قدر نقصان پہنچا سکے گی، جو اللہ تعالےٰ نے تیرے لیے پہلے سے لکھ دیا ہے۔"
(مسند احمد و ترمذی)

ایمان بالرّسالت اور اُس کے تقاضے

رسالتِ محمدیؐ کا مقام

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ "رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، قسم اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے۔ اگر موسےٰؑ تمہارے سامنے آجائیں اور تم اُن کی پیروی کرو اور مجھے چھوڑ دو تو تم بلاشبہ سیدھی راہ سے بھٹک جاؤ گے۔ اگر مُوسےٰؑ زندہ ہوتے اور میرا زمانۂ نبوّت پاتے تو میری پیروی کرتے۔" (مشکواۃ)

رسالت کی گواہی

حضرت معاذ بن جبل رضؓ روایت کرتے ہیں کہ "رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا جو سچے دل سے گواہی دے کہ خدا کوئی نہیں مگر اللہ۔ اور محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم اُس کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ کو اُس پر حرام کردے گا۔" (ترمذی)

اتباعِ رسالت

حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک اُس کی خواہشاتِ نفس میری لائی ہوئی ہدایت (اسلامی قانونِ زندگی) کے تابع نہ ہوجائیں۔" (شرح السنۃ)

محبّتِ رسولؐ

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا۔ جب تک میں اُسے اپنے والدین، اولاد حتیٰ کہ تمام دنیا کے لوگوں سے زیادہ عزیز اور محبوب نہ ہوجاؤں۔" (بخاری)

اطاعتِ رسولؐ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: میری اُمّت کا ہر فرد جنّت میں داخل ہوگا۔ سوائے اُس کے جس نے میرا انکار کیا۔ پس جس نے میری نافرمانی کی اُس نے درحقیقت میرا انکار کیا۔ (بخاری)

اتباعِ سنّت

حضرت ابوسعید خدری رضؓ بیان کرتے ہیں کہ" رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: جس شخص نے پاک وحلال کھایا اور طریقِ سُنّت کے مطابق زندگی گزاری اور جس کی زیادتیوں سے لوگ امن میں رہے وہ جنّت میں داخل ہوگا۔ (ترمذی)

حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: " اے میرے بیٹے! اگر تجھ سے ممکن ہو تو صبح سے شام تک اس حال میں بسر کر دے کہ تیرے دل میں کسی سے کھوٹ اور کینہ نہ ہو۔ اے میرے بیٹے یہی میرا طریقہ اور میری سنّت ہے پس جس شخص نے میری پسند اور میرے طریقہ کو اختیار کیا اس نے مجھے دوست رکھا۔ اور جس نے مجھے دوست رکھا وہ جنّت میں میرے ساتھ ہوگا۔ (ترمذی)

ایمان بالکتاب اور اُس کے تقاضے

اہمیت ومقام

حضرت جابر بن عبداللہ رضؓ سے روایت ہے کہ: " رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حجۃ الوداع کے مشہور خطبہ میں ارشاد فرمایا میں تمہارے لیے ایک ایسی چیز چھوڑ چلا ہوں۔ اگر تم نے اُس پر عمل کیا اور اُسے مضبوطی سے پکڑے رکھا تو تم کبھی گمراہ نہ ہوگے اور وہ اللہ کی کتاب ہے۔" (صحیح مسلم)

عمل بالقرآن

حضرت صہیبؓ سے روایت ہے کہ" رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: جس شخص نے قرآن کی حرام کی ہوئی چیز کو حلال سمجھا وہ درحقیقت قرآن پر ایمان نہیں لایا۔ (ترمذی۔)

ایمان بالآخرت اور اُس کے تقاضے

اہمیّت ومقام

حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ" رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: قسم اُس ذات کی جس

کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر آخرت کے ہولناک احوال کے متعلق تمہیں وہ سب کچھ معلوم ہو جائے جو مجھے معلوم ہے تو تمہارا ہنسنا بہت کم ہو جائے اور تمہارا رونا بہت بڑھ جائے۔ (بخاری)

محاسبہ آخرت

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ "رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: قیامت کے دن آدمی اپنی جگہ سے ہل نہ سکے گا جب تک پانچ باتوں کے بارے میں ان سے سوال نہ کرلیا جائے۔ اُس نے بحیثیت مجموعی اپنی زندگی کو کن کاموں میں کھپایا۔ اُس نے اپنی جوانی کن مشاغل میں گذاری۔ مال و دولت کے بارے میں کہ کہاں سے اور کن طریقوں سے اُس کو حاصل کیا۔ اور کن کاموں اور کن راہوں میں اُس کو صَرف کیا۔ اور آخری بات یہ کہ جو کچھ علم (علمِ دین) حاصل کیا، اُس پر کس حد تک عمل کیا۔ (ترمذی)

ضیاعِ آخرت

حضرت ابی امامہؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: قیامت کے دن مرتبہ و مقام کے لحاظ سے بدترین آدمی وہ ہوگا جس نے دنیا حاصل کرنے کے لیے اپنی آخرت کو ضائع کردیا۔ (ابن ماجہ)

فکرِ عاقبت

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ" رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا جو شخص ڈرتا ہے وہ شروع رات میں چل دیتا ہے اور وہ عافیت و اطمینان کے ساتھ اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ سنو اللہ کا سودا سستا نہیں مہنگا ہے۔ یاد رکھو اللہ کا سودا جنّت ہے۔"
(ترمذی)

بدترین انسان

حضرت ابو اُمامہؓ سے روایت ہے کہ" رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: قیامت کے دن مرتبہ کے لحاظ سے بدترین انسان وہ ہوگا جو دوسروں کی دنیا بنانے کے لیے اپنی آخرت برباد کردے۔ (مشکوٰۃ)

اسلام

نظامِ زندگی

حضرت عباس رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان کا مزہ اُس نے چکھا اور ایمان کی لذّت اُسے ملی اور ایمان کے فائدے اُسے حاصل ہوئے جو اللہ کو اپنا ربّ، اسلام کو اپنا دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول اور ہادی بنانے پر دل سے راضی ہوگیا۔ (مسلم)

پوری زندگی پورا اسلام

حضرت زیاد بن نعیم رضؓ سے روایت ہے کہ "رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چار باتیں ہیں جن کو اللہ تعالےٰ نے اسلام میں فرض قرار دیا ہے۔ نماز، زکوٰۃ، روزے اور حج جو شخص ان میں سے تین ادا کرے وہ اُس کے لیے مفید نہیں ہوسکتیں تاوقتیکہ سب ادا نہ کرے۔" (مسند احمد)

فضیلت ایمان و اسلام

حضرت عبداللہ رضؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالےٰ نے جس طرح تم میں روزی تقسیم کی ہے اسی طرح تمہارے درمیان اخلاق کی بھی تقسیم ہے۔ وہ دنیا تو سب کو دیتا ہے۔ اس کو بھی جس سے محبّت کرتا ہے اور اُس کو بھی جس سے محبّت نہیں کرتا۔ لیکن دولتِ ایمان صرف اُس کو دیتا ہے جس سے محبّت کرتا ہے۔" (مستدرک حاکم)

عبادات

ارکان اسلام

حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر قائم کی گئی ہے۔ ایک اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود و خالق نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ دوسرے نماز قائم کرنا۔ تیسرے زکوٰۃ ادا کرنا۔ چوتھے حج کرنا۔ پانچویں رمضان کے روزے رکھنا۔ (بخاری و مسلم)

نماز (اہمیت ومقام)

حضرت عبداللہ بن شفیق بیان کرتے ہیں کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سوائے نماز کے کسی اور چیز کو ایسا نہیں سمجھتے تھے جس کا چھوڑ دینا کفر ہو" (ترمذی)

رکوع وخشوع

حضرت عبادہ بن صامت رضؓ سے روایت ہے کہ " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دو رکعت نماز اس طرح پڑھے کہ درمیان میں بالکل غافل نہ ہو تو اللہ تعالےٰ اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دے گا" (مشکوٰۃ)

یکسوئی

حضرت زید بن خالدؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دو رکعت نماز اس طرح سے پڑھے کہ درمیان میں بالکل غافل نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کردے گا۔ (مشکوٰۃ)

نماز مودّع

حضرت ابوایوب انصاری رضؓ سے روایت ہے کہ: " ایک شخص کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اُس شخص کی سی نماز پڑھو جو سب کو الوداع کہنے والا ہو" (مسند احمد)

افضل اعمال

حضرت ابن مسعود رضؓ سے روایت ہے کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہترین عمل کے بارے میں سوال کیا۔ آپؐ نے فرمایا: وقت پر نماز پڑھنا۔ میں نے پوچھا اس کے بعد کونسا عمل بہتر ہے۔ آپؐ نے فرمایا ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا۔ پھر میں نے پوچھا اس کے بعد کونسا عمل فضیلت رکھتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا خدا کی راہ میں جہاد کرنا" (بخاری ومسلم)

زکوٰۃ (اہمیت ومقام)

حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص سونے اور چاندی کا مالک ہو (بقدر نصاب) اور وہ اُس کا حق (زکوٰۃ) ادا نہ کرے تو قیامت کے دن اُس کے لیے سونے اور چاندی کی تختیاں بنائی جائیں گی جن سے اُس کی پیشانی اور پہلوؤں کو داغ دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ یہ عمل متواتر اور ابدی ہوگا۔" (مسلم)

مال کم نہیں ہوتا

حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، صدقہ خیرات کرنے سے مال کم نہیں ہوتا۔ اور کسی کا قصور معاف کر دینے سے عزت میں کمی نہیں ہوتی۔ اضافہ ہی ہوتا ہے۔" (مسلم)

حج (اہمیت ومقام)

حضرت ابوامامہ رضؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ جو شخص باوجود استطاعت کے حج نہ کرے خدا کو اس کی پرواہ نہیں ہے کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر۔" (دارمی)

حج مقبول

حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ" رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا حج مقبول ومبرور کا بدلہ صرف جنّت ہے۔

روزہ (اہمیت ومقام)

حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ جو شخص رمضان میں بلا کسی عذر کے ایک دن روزہ نہ رکھے تو ساری عمر روزے رکھنے سے بھی اُس کا بدلہ نہیں ہو سکتا۔" (ترمذی)

ایمان واحتساب

حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا جس نے روزہ رکھا ایمان واحتساب کے ساتھ اُس کے پچھلے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ (بخاری)

فاقہ نہیں روزہ

حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، جو شخص جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑے خدا کو اس کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ کھانا پینا چھوڑ دے۔"

حسنات

(پسندیدہ اخلاق)

اخلاصِ نیت

حضرت عمر رضؓ سے روایت ہے کہ" رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: تمام اعمال کا دارومدار

نیت پر ہے۔ آدمی کو اُس کی نیت کے مطابق اجر ملتا ہے۔ جس شخص نے اللہ اور رسولؐ کے لیے ہجرت کی درحقیقت اُس کی ہجرت اللہ اور رسولؐ کے لیے ہوئی اور جو کوئی کسی دنیاوی غرض کے لیے مہاجر بنا تو فی الواقع جس دوسری غرض و نیت کے لیے اُس نے ہجرت کی ہے بس اُسی کی طرف اُس کی ہجرت مانی جائے گی۔" (بخاری و مسلم)

اخلاصِ عمل

حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا وہ تمہارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے۔" (مسلم)

حسنِ اخلاق

حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ "رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن اپنے حسنِ اخلاق کی وجہ سے قائم اللیل اور صائم النہار کا مرتبہ و مقام حاصل کر لیتا ہے۔" (ابو داؤد)

بھلائی

حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم میں سے بہترین آدمی وہ ہے جس سے لوگ بھلائی کے امیدوار ہوں اور جس کے شر سے محفوظ و مامون زندگی بسر کرتے ہوں۔" (ترمذی)

راست گفتاری

حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سچائی کو لازم پکڑو۔ ہمیشہ سچ بولو۔ سچ بولنا نیکی کے رستہ پر ڈال دیتا ہے۔ اور نیکی جنت تک پہنچا دیتی ہے۔ جھوٹ سے بچتے رہو۔ جھوٹ بولنے کی عادت آدمی کو فسق و فجور کے رستہ پر ڈال دیتی ہے اور فسق و فجور اُس کو دوزخ تک پہنچا دیتا ہے۔" (بخاری)

احسان

حضرت حذیفہ رضؓ سے روایت ہے کہ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ایسے نہ بنو کہ کہنے لگو لوگ احسان کریں گے تو ہم بھی احسان کریں گے۔ اور اگر دوسرے لوگ ظلم اختیار کریں گے تو ہم بھی کریں گے۔ نہیں لوگ احسان کریں تب بھی تم احسان کرو اور اگر لوگ ظلم و برائی کا رویہ اختیار کریں جب بھی تم ظلم کی روش اختیار نہ کرو۔" (ترمذی)

زہد (پرہیزگاری)

حضرت ابوذر رضؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زہد حلال کو اپنے

اور پر حرام کر لینے یا مال کو ضائع کر دینے کا نام نہیں ہے بلکہ زُہد یہ ہے کہ تُو اپنے مقبوضہ وسائل پر خدا تعالیٰ سے زیادہ اعتماد نہ کرے اور پیش آمدہ مصیبت کا اجر تجھے مصیبت کے نہ آنے سے زیادہ مرغوب ہو۔" (ترمذی)

تسلیم و رضا

حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ انسان کی سعادت مندی اس میں ہے کہ اللہ کی رضا پر راضی رہے۔ اور بدبختی اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بھلائی کا مطالبہ چھوڑ دے اور اس کی قضا پر ناراض رہے۔" (ترمذی)

صبر

حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: جو بندہ کسی جانی و مالی مصیبت میں مبتلا ہوا اور اُس پر صبر اختیار نہ کرے نہ کسی سے اظہار کرے، نہ شکایت کرے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اُس کو بخش دیں گے۔" (طبرانی)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: وہ مسلمان جو لوگوں کے درمیان رہتا ہے اور اُن کی ایذارسانیوں پر صبر کرتا ہے اُس مسلمان سے بہتر ہے جو لوگوں سے بے تعلّق رہتا ہے اور ان کی ایذارسانیوں پر دل برداشتہ ہو جاتا ہے۔" (بخاری)

شُکر

حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: اُن لوگوں کی طرف نظر کرو جو تم میں سے کمزور تر ہیں۔ اپنے سے اُوپر والوں کو نہ دیکھو۔" (متفق علیہ)

صبر و شُکر

حضرت صہیبؓ روایت کرتے ہیں، کہ "رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ ہر بات میں اُس کے لیے خیر ہی خیر اور بھلائی ہی بھلائی ہے۔ اور یہ مومن کے سوا کسی کو نصیب نہیں۔ خوشی کی بات پیش آئے تو شکر کرتا ہے اور تکلیف و غم کا موقعہ ہو تو صبر کرتا ہے۔" (مسلم)

توکّل

حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ "رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: میری اُمّت میں سے ستّر ہزار بغیر حساب

کے جنت میں جائیں گے - اور یہ وہ بندگان خدا ہوں گے جو منتر نہیں کراتے، شگون بد نہیں لیتے اور اپنے ربّ پر توکّل کرتے ہیں۔" (بخاری)

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ" میں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے سُنا - آپؐ فرماتے تھے اگر تم لوگ اللہ تعالےٰ پر ایسا توکّل کرو جیسا کہ توکّل کرنے کا حق ہے تو وہ تم کو اس طرح سے روزی دے جس طرح کہ پرندوں کو دیتا ہے کہ صبح بھُوکے اپنے آشیانوں سے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے لوٹتے ہیں۔" (ترمذی)

رحم

حضرت جریرؓ ابن عبداللہ سے روایت ہے کہ "رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور رحمت سے محروم رہیں گے۔ جو دوسروں پر رحم نہیں کرتے۔" (بخاری)

عفوودرگذر

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے سوال کیا میں اپنے خادم کا قصور دن میں کتنی دفعہ معاف کروں - آپؐ نے فرمایا ہر روز ستّر دفعہ۔" (ترمذی)

نرمی

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ" رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: دوزخ کی آگ ہر ایسے شخص پر حرام ہے جو مزاج میں تیز نہ ہو- لوگوں سے قریبی تعلق رکھنے والا اور نرم خُو ہو۔" (ابوداؤد)

حیا

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: حیا ایمان کا ایک حصّہ ہے اور ایمان کا مقام جنّت ہے۔" (مسند احمد)

خندہ پیشانی

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ" رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: نیکی میں سے تُو کسی نیکی کو حقیر اور معمولی نہ سمجھ- اگرچہ وہ نیکی یہ ہو کہ تُو اپنے بھائی سے بشاش چہرہ کے ساتھ ملاقات کرے۔" (مُسلم)

قناعت

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: کامیاب ہُوا وہ بندہ جس کو حقیقتِ اسلام نصیب ہوئی اور روزی اس کو بقدر کفاف ملی- اور اللہ تعالےٰ نے اس کو قلیل روزی پر قانع بنا دیا۔" (مُسلم)

استغناء حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دولت مندی مال و منال سے حاصل نہیں ہوتی۔ اصل دولت مندی دل کی بے نیازی ہے۔" (بخاری)

امانت داری حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس میں امانت داری نہیں اُس میں ایمان نہیں۔" (شعب الایمان)

ایفائے عہد حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ" رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس میں عہد کی پابندی نہیں، اُس میں دین نہیں۔" (شعب الایمان)

مہمان نوازی حضرت ابوشریح رضؓ سے روایت ہے کہ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہے اُسے چاہیئے کہ مہمان کی عزت کرے۔" (الادب المفرد)

سادگی اور شرافت حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ" رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان دار آدمی بھولا۔ سیدھا اور شریف الطبع ہوتا ہے اور منافق دھوکے باز اور ذلیل الطبع ہوتا ہے۔" (مستدرک حاکم)

تواضع اور خاکساری حضرت عیاض بن حمار رضؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حدیثِ قدسی ہے کہ تواضع اور خاکساری اختیار کرو جس کا نتیجہ یہ ہونا چاہیئے کہ کوئی کسی پر ظلم نہ کرے۔ کوئی کسی پر فخر نہ کرے۔" (ابوداؤد) (جاری ہے)

عَنْ عُثْمَانَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ

قاری نصیر احمد غزنوی قسط (۸)

قادیانیت
اپنے لٹریچر کے آئینے میں

(گزشتہ سے پیوستہ)

عربی الہام

انتَ الشیخ المسیحُ الّذِی لا یُضَاعُ وَقتُہٗ ۔ کمثلکَ دُرٌّ لا یُضَاعَ ۔ اُرِیحُکَ وَلا اُجِیحُکَ وَاخرِج مِنکَ قومًا۔ اَصحَابُ الصُّفّۃِ وَمَا اَدرٰلکَ مَا اَصحَابُ الصُّفّۃ ۔ انت وجیہٌ فی حضرتی ۔ شَانُکَ عجیبٌ وَاَجرُکَ قریب ۔ یا احمد فاضت الرحمۃ علی شَفَتَیکَ ۔ (تذکرہ ص۶۵۹)

اُردو الہام: یہ طریق اچھا نہیں اس سے روک دیا جائے مسلمانوں کے لیڈر عبدالکریم کو۔ اخویم مولوی عبدالکریم صاحب نے اپنی بیوی سے کسی قدر زبانی سختی کا برتاؤ کیا تھا۔ اس پر حکم ہوا اس قدر سخت گوئی نہیں چاہیئے۔ (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ ص۳۷، ص۳۸)

اُردو الہام: آپ کے ساتھ انگریزوں کا نرمی کے ساتھ ہاتھ تھا۔ اسی طرف خدا تعالیٰ تھا جو آپ تھے۔ (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ ص۳۷)

الہام: مردوں کو جتنے چاہو ساتھ لے جاؤ۔ مگر عورتیں نہ جاویں۔ (تذکرہ ص۶۲)

ساتھ ہی یہ بھی الہام ہوا کہ موتا موتی لگ رہی ہے۔ (براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ ص۱۵۷)

فارسی الہامات

الہام: شخصے پائے من بوسیدہ من گفتم کہ سنگ اسود منم۔ (تذکرہ ص۳۷)

الہام: صادق آں باشد کہ ایام بلا می گذارد با محبت باوفا (تذکرہ ص۳۷)

الہام: دست تو۔ دعائے تو ترحم زخدا۔ (تذکرہ ص۵۷۵)

الہام: رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت (تذکرہ ص۶۷۸)

الہام: مباش ایمن از بازیٔ روزگار۔ تاریخ ۱۹۰۸ء-۲۶ر اپریل۔
(تذکرہ صفحہ ۵)

۱۸۹۳ء۔ ۵ر اپریل۔ پشت برقبلہ مے کنند نماز (۲) ۷ر اپریل۔ الہام:
شد ترا ایں برگ و بار و شیخ و شاب۔ (تذکرہ ص۶۹، ص۶۸)

الہام: ہرچہ باید نوعروسے را ہمہ ساماں کنم (تریاق القلوب ص ۲۰۲/۴)

ایک مرتبہ مجھے یہ الہام ہوا تھا۔ الہام: اے عمی بازی خویش کردی۔ دمرا
افسوس بسیار دادی (زنادیان کے آریہ اور ہم ص ۴۴/۲۴)

بلا توقف یہ الہام ہوا۔ الہام: اے بسا آرزو کہ خاک شد۔ (تریاق القلوب ص ۲۱)

جَاءَنِیْ اٰئِیْلُ وَاخْتَارَ (ترجمہ) میرے پاس آئیل آیا اور اس نے مجھے چن لیا
ھا اس جگہ آئیل خدا تعالیٰ نے جبریل کا نام رکھا ہے اس لیے کہ بار بار رجوع کرتا ہے۔
(تذکرہ ص ۶۵۹)

وحی: اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ رَدَّ عَلَیْھِمْ
رَجُلٌ مِّنْ فَارِسَ شَکَرَ اللّٰہُ سَعْیَہٗ یعنی جو لوگ کافر ہو کر خدا تعالیٰ
کی راہ سے روکتے ہیں۔ ایک فارسی الاصل نے ان کا ردّ لکھا ہے۔ خدا اس کی کوشش
کا شکر گذار ہے۔

وحی: لَوْکَانَ الْاِیْمَانُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَیَّا لَنَالَہٗ رَجُلٌ مِّنْ
فَارِس ؎ ۔ (تذکرہ ص ۶۳۴)

{ خط کشیدہ حصہ قرآن مجید سے ہے ؎۲ یہ حدیث شریف ہے
اس میں سے "اَوْ رِجَالٌ" کم کر دیا ہے۔ نصیر احمد }

نوٹ: عقل حیران ہے کہ خالق نے مخلوق کے کلام کو اپنا کلام بنا کر کیسے نازل کر دیا۔
شاعری کی اصطلاح میں ایسے کلام کو توارد یا سرقہ کہتے ہیں۔ نشان زدہ
تینوں مصرعے فارسی کی مشہور ضرب الامثال سے ہیں۔ (نصیر احمد)

مسیح موعود، مثیل مسیح، مسیح ابن مریم

معنے اوّل: وہی سچا مسیح ہے جو مسیح موعود کے نام سے موسوم ہے۔ جس کی مسلم

کی حدیث میں وجہ تسمیہ مسیح ہونے کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ مومنوں کی شدت اور محنت اور ابتلاء کا غبار جو دجال کی وجہ سے ان کے طاری حال ہوگا ان کے چہرے سے پونچھ دے گا یعنی دلیل و حجت سے اُن کو غالب کر دکھائے گا۔ سو اس لیے وہ مسیح کہلائے گا۔ کیونکہ مسح پونچھنے کو کہتے ہیں۔ جس سے مسیح مشتق ہے اور ضرور ہے کہ وہ دجال معہود کے بعد نازل ہو۔ سو یہ عاجز دجال معہود کے خروج کے بعد آیا ہے۔

(ازالۂ اوہام۔ حصہ دوم ص۴۸۸ ص۷۲۱)

معنی دوم: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبوسیاح تھے۔ پس اگر وہ صلیب کے واقعہ پر مع جسم آسمان پر چلے گئے تھے تو سیاحت کس زمانہ میں کی۔ حالانکہ اہلِ لغت بھی مسیح کے لفظ کی ایک وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ لفظ مسح سے نکلا ہے اور مسح سیاحت کو کہتے ہیں۔ (از حقیقت ص۱۵۵/۳)

معنی سوم:۔ دراصل مسیح اس صدیق کو کہتے ہیں جس کے مسح یعنی چھونے میں خدا نے برکت رکھی ہو اور اس کے انفاس اور وعظ و کلام زندگی بخش ہوں۔

(ایام الصلح ص۲۹۴/۶۸)

مسیح موعود

نمبر ۱: مسیح موعود:۔ خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں مسیح موعود ہوں جس کا نبیوں نے وعدہ دیا ہے اور میری نسبت اور میرے زمانے کی نسبت توریت اور انجیل اور قرآن شریف میں خبر موجود ہے۔ (دافع البلاء ص۱۸ ص۲۳۸/۲۲)

نمبر ۲: میرا یہ دعویٰ کہ میں مسیح موعود ہوں.. کتاب اللہ اور احادیث سے میرے پر کھل گیا کہ میں مسیح موعود ہوں۔ عین صدی کے سر پر خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک شخص بدعوائے مسیح موعود پیدا ہو گیا (کتاب البریہ ص۲۰۵/۱۸۷ و نجم الہدیٰ ص۹۵ و تحفہ گولڑویہ ص۳۲۶/۲۷۱)

مثیل مسیح

نمبر ۳: میں نے یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا ہے کہ میں مسیح بن مریم ہوں... بلکہ میری طرف سے عرصہ سات یا آٹھ سال سے برابر یہی شائع ہو رہا ہے کہ میں مثیل مسیح ہوں۔

(ازالۂ اوہام حصہ اول ص۱۹۲ ص۱۹۰)

اس عاجز کے دعویٰ مجدد اور مثیل مسیح ہونے اور ہمکلام الٰہی ہونے پر اب بفضلہ تعالیٰ گیارہواں برس جاتا ہے۔ کیا یہ نشانی نہیں ہے۔ (نشانِ آسمانی ص۳۷/۳۹)

ابنِ مریم

نمبر ۴: اس اُمت میں ایک شخص ہوگا کہ پہلے مریم کا مرتبہ اس کو ملے گا۔ پھر اس میں عیسیٰ کی رُوح پھونکی جاوے گی۔ تب مریم میں سے عیسیٰ نکل آئے گا۔ یعنی وہ مریمی صفات سے عیسوی صفات کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ گویا مریم ہونے کی صفت نے عیسیٰ ہونے کا بچہ دیا اور اس طرح پر وہ ابنِ مریم کہلائے گا۔ جیسا کہ براہین احمدیہ کے حصہ چہارم صفحہ ۴۹۶ میں درج ہے مریم کی طرح عیسیٰ کی رُوح مجھ میں نفخ کی گئی اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا اور آخر کئی مہینے بعد جو دس مہینے سے زیادہ نہیں بذریعہ اس الہام کے جو سب سے آخر میں براہین احمدیہ کے حصہ چہارم صفحہ ۵۵۶ میں درج ہے مجھے مریم سے عیسیٰ بنایا گیا۔ پس اس طور سے مَیں ابنِ مریم ٹھہرا۔ (کشتی نوح ص۴۵ ص۴۸/۵۰ و ص۴۹/۵۱ ص۴۶ ص۴۷ ص۵۰/۵۲)

چند مزید اقتباسات

اوّل تو یہ جاننا چاہیئے کہ مسیح کے نزول کا عقیدہ کوئی ایسا عقیدہ نہیں ہے جو ہماری ایمانیات کا جزو یا ہمارے دین کے رکنوں میں سے کوئی رکن ہو بلکہ صدہا پیشگوئیوں میں سے ایک پیشگوئی ہے جس کو حقیقت اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے جس زمانہ تک یہ پیشگوئی بیان نہیں کی گئی تھی اس زمانہ تک اسلام کچھ ناقص نہیں تھا اور جب یہ بیان کی گئی تو اس سے اسلام کچھ کامل نہیں ہوگیا۔ (ازالۂ اوہام حصہ اول ص۱۴۰)

میرا یہ بھی دعویٰ نہیں کہ صرف مثیل مسیح ہونا میرے ہی پر ختم ہو گیا ہے بلکہ میرے نزدیک ممکن ہے کہ آئندہ زمانوں میں میرے جیسے دس ہزار بھی مثیل مسیح آجائیں ممکن ہے کہ کسی زمانہ میں کوئی ایسا مسیح بھی آجائے جس پر حدیثوں کے ظاہری الفاظ صادق آسکیں۔ (ازالہ اوہام حصہ اول ص۱۹۷ ص۲)

گو مَیں اس بات کو تو مانتا ہوں کہ ممکن ہے کہ میرے بعد کوئی اور مسیح ابنِ مریم

بھی آوے اور بعض احادیث کی رُو سے وہ موعود بھی ہو اور کوئی ایسا دجّال بھی آوے جو مسلمانوں میں فتنہ ڈالے۔ (ازالہ اوہام حصہ دوم ص۳۶۲ ص۴۸۱)

اس عاجز نے جو مثیل موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے جس کو کم فہم لوگ مسیح موعود خیال کر بیٹھے ہیں۔ یہ کوئی نیا دعویٰ نہیں... میں نے یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا کہ میں مسیح بن مریم ہوں۔ جو شخص یہ الزام میرے پر لگاوے وہ سراسر مفتری اور کذاب ہے۔
(ازالہ اوہام حصہ اول ص۱۹۲)

اب یہ سوال بھی قابلِ حل ہے کہ مسیح ابنِ مریم تو دجّال کے لیے آئے گا۔ آپ اگر مسیح ابنِ مریم کے رنگ میں ہو کر آئے ہیں تو آپ کے مقابل پر دجّال کون ہے؟ میرا مذہب یہ ہے کہ اس زمانے کے پادریوں کی مانند کوئی اب تک دجّال پیدا ہُوا ہے نہ قیامت تک پیدا ہوگا۔ (ازالہ اوہام حصہ دوم ص۳۶۲ ص۴۸۸)

خدا نے اس اُمت میں مسیح موعود کو بھیجا جو اس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے اور اس نے اس دوسرے مسیح کا نام غلام احمد رکھا۔

(دافع البلاء ص۲۳۳ ص۱۳ ص۱۷)

ابنِ مریم کے ذکر کو چھوڑو اس سے بہتر غلام احمد ہے۔ (دافع البلاء ص۲۰ ص۲۴۰/۲۴)

اشتہار چندہ منارۃ المسیح

خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے قادیان کی مسجد جو میرے والد صاحب مرحوم نے مختصر طور پر دو بازاروں کے وسط میں ایک اونچی زمین پر بنائی تھی۔ اب شوکتِ اسلام کے لیے بہت وسیع کی گئی... میرے دعویٰ کی ابتدائی حالت میں اس مسجد میں جمعہ کی نماز کے لیے زیادہ سے زیادہ پندرہ یا بیس آدمی جمع ہُوا کرتے تھے لیکن اب خدا تعالیٰ کا یہ فضل ہے کہ تین یا چار سو نمازی ایک معمولی اندازہ ہے اور کبھی سات سو یا آٹھ سو تک بھی نمازیوں کی نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اب اس مسجد کی تکمیل کے لیے ایک اور تجویز قرار پائی ہے اور وہ یہ ہے کہ مسجد کی شرقی طرف جیسا کہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء ہے ایک بہت اونچا منارہ بنایا جائے... عندی۔

حدیث نبوی میں جو مسیح موعود کی نسبت لکھا گیا تھا کہ وہ منارۂ بیضاء کے پاس نازل ہوگا۔ اس سے یہی غرض تھی کہ مسیح موعود کے وقت کا یہ نشان ہے۔ احادیث نبویہ میں متواتر آچکا ہے کہ مسیح آنے والا صاحب المنارہ ہوگا۔ یعنی اس کے زمانے میں اسلامی سچائی بلندی کے انتہا تک پہنچ جائے گی جو اس منارہ کی مانند ہے، جو نہایت اونچا ہوگا۔ ایسا ہی مسیح موعود کی مسجد بھی مسجد اقصیٰ ہے۔ مسجد اقصےٰ سے مُراد مسیح موعود کی مسجد ہے جو قادیان میں واقع ہے جس کی نسبت براہین احمدیہ میں خدا کا کلام یہ ہے؟ ومبارک وکل امر مبارک یجعل فیہ اور یہ مبارک کا لفظ جو بصیغہ مفعول اور فاعل واقع ہُوا قرآن شریف کی آیت بارکنا حولہٗ کے مطابق ہے۔ پس کچھ شک نہیں جو قرآن شریف میں قادیان کا ذکر ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالٰے فرماتا ہے سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَہٗ۔ اور اس معراج میں جو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم مسجد الحرام سے مسجد اقصےٰ تک سیر فرما ہوئے، وہ مسجدِ اقصےٰ یہی ہے۔ جو قادیان میں بجانب مشرق واقع ہے جس کا نام خدا کے کلام نے مبارک رکھا ہے۔ یہ منارہ وہ منارہ ہے جس کی ضرورت احادیث نبویہ میں تسلیم کی گئی اور اس منارۃ المسیح کا خرچ دس ہزار روپیہ سے کم نہیں ہے۔ اب جو دوست اس منارہ کی تعمیر کے لیے مدد کریں گے، مَیں یقیناً سمجھتا ہوں کہ وہ ایک بھاری خدمت کو انجام دیں گے اور مَیں یقیناً جانتا ہوں کہ ایسے موقع پر خرچ کرنا ہرگز ہرگز ان کے نقصان کا باعث نہیں ہوگا وہ خدا کو قرض دیں گے اور مع سُود واپس لیں گے۔ کاش ان کے دل سمجھیں کہ اس کام کی خدا کے نزدیک کس قدر عظمت ہے۔ جس خدا نے منارہ کا حکم دیا ہے اس نے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ اسلام کی مُردہ حالت میں اسی جگہ سے زندگی کی روح پھُونکی جائے گی۔

(خطبہ الہامیہ ص ۱۵ سے ص ۲۸ تک۔ ۲۸ مئی سنہ ۱۹۰۰ء)

انوٹ: قابل غور بات یہ ہے کہ مسیح صاحب پہلے نازل ہو گئے۔ منارہ کی تعمیر کا اشتہار بعد میں دیا جا رہا ہے۔ (ن-ا)

قادیان کی تعریف

جس قدر فقراء و علماء و شرفاء و نجباء قادیان میں موجود تھے سب نکل گئے تھے۔ اور مختلف بلاد و امصار میں جاکر آباد ہوگئے اور یہ جگہ ان شریر اور یزیدی الطبع لوگوں سے پُر ہوگئی جن کے خیالات میں بجز بدی اور بدکاری کے کچھ نہیں تھا اور قادیان کو جو خدائے تعالیٰ نے دمشق کے ساتھ مشابہت دی اور یہ بھی اپنے الہام میں فرمایا کہ اخرج منہ الیزیدیون یہ تشبیہ بوجہ ان ملحدوں اور شریروں کی جو اس قصبہ میں رہتے ہیں ... دن رات دنیا کے فریبوں میں لگے رہتے ہیں ... جو خدا تعالیٰ کے وجود کے منکر ہیں اور کسی چیز کو حرام نہیں سمجھتے۔ میں ان کے دلوں کو دیکھتا ہوں کہ زنا سے لے کر خونِ ناحق تک اگر موقع پاویں ان کے نزدیک نہ صرف جائز بلکہ یہ سب کام تعریف کے لائق ہیں ... (اور) جس میں ایسے لوگ رہتے ہیں جو یزیدی الطبع اور یزید پلید کی عادات اور خیالات کے پیرو ہیں جن کے دلوں میں اللہ اور رسول کی کچھ قیمت نہیں۔ اور احکامِ الٰہی کی کچھ عظمت نہیں جنہوں نے اپنی نفسانی خواہشوں کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔

(ازالۂ اوہام حصہ اول صفحہ ۱۳۵ صفحہ ۱۶۵ صفحہ ۱۶۷ صفحہ ۱۶۸)

ایک خط کے جواب میں عُذرِ حج

قولہٗ۔ باوجود مقدرت کے حج نہیں کیا (یہ میری ذات پر حملہ ہے)

اقول۔ اس اعتراض سے آپ کی شریعت دانی معلوم ہوگئی۔ گویا آپ کے نزدیک مانع حج صرف ایک ہی امر ہے کہ زادِ راہ نہ ہو۔ عجیب حالت ہے کہ ایک طرف بداندیش علماء مکّہ سے فتویٰ لاتے ہیں کہ یہ شخص کافر ہے اور پھر کہتے ہیں کہ حج کے لیے جاؤ اور خود جانتے ہیں کہ جب کہ مکّہ والوں نے کفر کا فتویٰ دے دیا تو اب مکّہ فتنہ سے خالی نہیں اور خدا فرماتا ہے کہ جہاں فتنہ ہو اس جگہ جانے سے پرہیز کرو۔ سو میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ کیسا اعتراض ہے۔ ان لوگوں کو معلوم ہے کہ فتنہ کے زمانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی حج نہیں کیا۔[1] اور حدیث

حاشیہ اگلے صفحہ پر

اور قرآن سے ثابت ہے کہ فتنے کے مقامات میں جانے سے پرہیز کرو۔ یہ کس قسم کی شرارت ہے کہ مکّہ والوں میں ہمارا کفر مشہور کرنا اور پھر بار بار حج کے بارے میں اعتراض کرنا۔ نعوذ باللہ من شرورہم۔ ذرا سوچنا چاہیئے کہ ہمارے حج کی ان لوگوں کو کیوں فکر پڑ گئی۔ کیا اس میں بجز اس بات کے کوئی اور بھید بھی ہے کہ میری نسبت ان کے دل میں یہ منصوبہ ہے کہ یہ مکّہ کو جائیں اور پھر چند اشرار الناس پیچھے سے مکّہ پہنچ جائیں اور شور قیامت ڈال دیں کہ یہ کافر ہے اسے قتل کرنا چاہیئے۔ مواضع فتن سے اپنے تئیں بچانا سنّت انبیاء علیہم السلام ہے۔ مکّہ میں عنان حکومت ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو ان مکفرین کے ہم مذہب ہیں۔ جب یہ لوگ ہمیں واجب القتل ٹھیراتے ہیں تو کیا وہ لوگ ایذا سے کچھ فرق کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ولا تُلقُوا بِاَیدِیکُم اِلی التهلکة پس ہم گنہگار ہوں گے اگر دیدہ دانستہ تہلکہ کی طرف قدم اٹھائیں گے اور حج کو جائیں گے اور خدا کے حکم کے برخلاف قدم اٹھانا معصیت ہے حج کرنا مشروط بالشرائط ہے مگر فتنہ اور تہلکہ سے بچنے کے لیے قطعی حکم ہے جس کے ساتھ کوئی شرط نہیں۔ اب خود سوچ لو کہ کیا ہم قرآن کے قطعی حکم کی پیروی کریں یا اس حکم کی جس کی شرط موجود ہے۔

میں آپ لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ آپ اس سوال کا جواب دیں کہ مسیح موعود جب ظاہر ہوگا تو کیا اوّل اس کا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ مسلمانوں کو دجّال کے خطرناک فتنوں سے نجات دے یا ظاہر ہوتے ہی حج کو چلا جائے۔ اس بات کا جواب دو کہ

نوٹ[1]: یہ بالکل غلط ہے۔ حج نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ نسئی کا سال تھا اور جاہلیت کے پرانے دستور کے مطابق یہ مہینہ ذی القعدہ کا قرار پایا تھا۔ بشیر الدین محمود احمد صاحب لکھتے ہیں نسئی یہ تھی کہ کسی سال وہ محرم کو حلال کر دیتے تاکہ لوٹ مار میں آسانی ہو جائے اور صفر کو محرم بناتے تھے۔ اس طرح سب مہینوں کو بدل کر تیرہ مہینوں کا سال کر دیتے تھے۔ پھر تغیر کر کے سال کو اپنی حالت پر لاتے۔

نوٹ (۲) مرزا صاحب کی تحریر سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ صحیح مسیح موعود نہ تھے۔ اگر واقعی وہی مسیح موعود ہوتے تو حدیث کے مطابق دجّالی فتنہ

مسیح موعود دنیا میں آکر پہلے کس فرض کو ادا کرے گا۔ کیا پہلے حج کرنا اس پر فرض ہوگا یا یہ کہ دجالی فتنوں کا قصہ تمام کرے گا۔ یہ مسئلہ کوئی باریک نہیں ہے صحیح بخاری یا مسلم کے دیکھنے سے اس کا جواب مل سکتا ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ گواہی ثابت ہو کہ پہلا کام مسیح موعود کا حج ہے تو پھر ہم بہرحال حج کو جائیں گے۔ ہرچہ بادا باد۔

لیکن پہلا کام مسیح موعود کا استیصال فتن دجالیہ ہے۔ تو جب تک اس کام سے ہم فراغت نہ کریں حج کی طرف رُخ کرنا خلاف پیشگوئی نبوی ہے۔ ہمارا حج تو اس وقت ہوگا جب دجال بھی کفر اور دجل سے باز آکر طواف بیت اللہ کرے گا۔ کیونکہ بموجب حدیث نبوی کے وہی وقت مسیح موعود کے حج کا ہوگا۔ سو جب دجال کو ایمان اور حج کے خیال پیدا ہوں گے وہی دن ہمارے حج کے بھی ہوں گے۔ اب تو پہلا کام ہمارا جس پر خدا نے ہمیں لگا دیا ہے دجالی فتنہ کو ہلاک کرنا ہے۔ کیا کوئی شخص اپنے آقا کی مرضی کے برخلاف کام کر سکتا ہے۔

(ایام الصلح ص ۴۱۵/۱۸۹ ص ۱۶۸، ص ۴۱۶/۱۹۰ ص ۱۶۹، ص ۴۱۷/۹۱)

ختم کر کے ضرور حج ادا فرماتے۔ مگر تمام احمدی حضرات جانتے ہیں کہ ان کو یہ سعادت نصیب نہ ہوئی۔ لہٰذا ان کی اپنی ہی تحریر کے مطابق مسیح موعود ہونے کا دعوےٰ باطل ہو جاتا ہے۔ رہی وہ آیت جو عذر حج میں پیش فرمائی ہے اس کا جواب یہ آیات ہیں۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ "اور اللہ کے اذن کے بغیر کوئی نفس نہیں مر سکتا (کیونکہ اللہ نے) ایک مقرر میعاد والا فیصلہ کیا ہوا ہے۔" (پارہ ۴ رکوع ۶، تفسیر صغیر ص ۹۵۔)

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ تم جہاں کہیں بھی ہو موت تمہیں آپکڑے گی۔ خواہ تم مضبوط قلعوں میں (ہی کیوں نہ ہو) (پارہ ۵۔ رکوع ۷، تفسیر صغیر ص ۱۲۱)

مرزا صاحب کا نبی ہونے سے انکار

نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ کیا ہے جو خدا تعالےٰ کے حکم سے کیا گیا ہے۔ (ازالہ اوہام حصہ اوّل ص۳۲۰ ص۴۲۰)

اگر یہ اعتراض پیش کیا جائے کہ مسیح کا مثیل بھی نبی چاہیئے۔ کیونکہ مسیح نبی تھا تو اس کا اوّل جواب تو یہی ہے کہ آنے والے مسیح کے لیے ہمارے سیّد و مولیٰ نے نبوت شرط نہیں ٹھہرائی بلکہ صاف لکھا ہے کہ وہ ایک مسلمان ہو گا اور عام مسلمانوں کے موافق شریعت فرقانی کا پابند ہو گا۔

(توضیح المرام ص۵۹ ص۱۸ - ۱۸۹۱ء)

مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۝ یعنی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی مرد کا باپ نہیں ہے مگر وہ رسول اللہ ہے اور ختم کرنے والا ہے نبیوں کا۔" یہ آیت صاف دلالت کر رہی ہے کہ بعد ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی رسول دنیا میں نہیں آئے گا اب وحی رسالت تا بقیامت منقطع ہے۔ (ازالہ اوہام حصہ دوم ص۴۳۱ ر ص۴۳۲ ۱۸۹۱ء)

• خدائے تعالیٰ ایسی ذلت اور رسوائی اس امت کے لیے اور ایسی ہتک اور کسرِ شان اپنے نبی مقبول خاتم الانبیاء کے لیے ہرگز روا نہیں رکھے گا کہ ایک رسول کو بھیج کر جس کے آنے کے ساتھ جبرائیل کا آنا ضروری امر ہے اسلام کا تختہ ہی اُلٹا دیوے۔ حالانکہ وہ وعدہ کر چکا ہے کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی رسول نہیں بھیجا جائے گا۔ (ازالہ اوہام حصہ دوم ص۵۸۶ ۱۸۹۱ء)

• قرآن کریم بعد خاتم النبیین کے کسی رسول کا آنا جائز نہیں رکھتا خواہ وہ نیا رسول ہو یا پُرانا ہو۔ کیونکہ رسول کو علمِ دین بتوسط جبرائیل ملتا ہے اور باب نزول جبرائیل بہ پیرایہ وحی رسالت مسدود ہے۔ اور یہ بات خود ممتنع ہے کہ دنیا میں رسول تو آوے مگر سلسلہ وحی رسالت نہ ہو۔ (ازالہ اوہام حصہ دوم ص۷۶۱ ۱۸۹۱ء)

• خدا تعالےٰ جانتا ہے کہ مَیں مسلمان ہوں اور ان سب عقائد پر ایمان رکھتا ہوں جو اہلِ سنت والجماعت مانتے ہیں اور مَیں کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

کا قائل ہوں اور قبلہ کی طرف نماز پڑھتا ہوں اور میں نبوت کا مدعی نہیں بلکہ ایسے مدعی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔ (آسمانی فیصلہ ص ۳/۳۱۳ جنوری ۱۸۹۲ء)

• جو شخص ایک نبی متبوع علیہ السلام کا متبع ہے اور اس کے فرمودہ پر اور کتاب اللہ پر ایمان لاتا ہے اس کی آزمائش انبیاء کی طرح آزمائش کرنا ایک قسم کی ناسمجھی ہے۔ (آئینہ کمالات اسلام حصہ اول ص ۳۳۹ ۱۸۹۲ء)

• میر صاحب کے دل میں سراسر فاش غلطی سے یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ گویا میں ایک نیچری آدمی ہوں۔ معجزات کا منکر اور لیلۃ القدر سے انکاری اور نبوت کا مدعی اور انبیاء علیہم السلام کی اہانت کرنے والا اور عقائد اسلام سے منہ پھیرنے والا۔ سو میں ان اوہام کے دور کرنے کے لیے میں وعدہ کر چکا ہوں کہ عنقریب میری طرف سے اس بارہ میں رسالہ مستقلہ شائع ہوگا۔

(آسمانی فیصلہ ص ۲۷/۳۴۷ جنوری ۱۸۹۲ء)

• اگرچہ میں نے بار بار بیان کیا اور اپنی کتابوں کا مطلب سنایا کہ کوئی کلمہ کفر ان میں نہیں ہے نہ مجھے دعوئ نبوت و خروج از امت اور نہ میں منکر معجزات اور ملائک اور نہ لیلۃ القدر سے انکاری ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا قائل اور یقین کامل سے جانتا ہوں اور اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی صلعم خاتم الانبیاء ہیں اور آنجناب کے بعد اس امت کے لیے کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ (نشان آسمانی ص ۲۱/۳۹۱ جون ۱۸۹۲ء)

• میں ایک مسلمان آدمی ہوں جو قرآن شریف کی پیروی کرتا ہوں اور قرآن شریف کی تعلیم کی رو سے اس موجودہ نجات کا مدعی ہوں۔ میرا نبوت کا کوئی دعویٰ نہیں یہ آپ کی غلطی ہے۔ آپ کس خیال سے کہہ رہے ہیں کیا یہ ضروری ہے کہ جو الہام کا دعویٰ کرتا ہے وہ نبی بھی ہو جائے۔ میں تو محمدی اور کامل طور پر اللہ اور رسول کا متبع ہوں اور ان نشانوں کا نام معجزہ رکھنا نہیں چاہتا بلکہ ہمارے مذہب کی رو سے ان نشانوں کا نام کرامات ہے۔ جو اللہ اور رسول کی پیروی سے دیے جاتے ہیں۔
(جنگ مقدس ص ۱۵۶/۱۴۷ ۲۶ مئی ۱۸۹۲ء)

• خدا تعالیٰ نے میرا نام مسیح موعود رکھا ہے۔ تمہیں چاہیئے کہ اس راز پر غور کرو۔ اور جلدی نہ کرو۔ یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کو بھیجے۔ بعد اس کے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بنایا ہے۔ ہرگز ہرگز نہیں ہوگا کہ سلسلہ نبوت کو ختم کرنے کے بعد دوبارہ جاری کیا جائے۔

(ترجمہ) (آئینہ کمالات اسلام حصہ دوم ص۳۷۹ ص۳۸۰ فروری ۱۸۹۳ء)

• میں نبی نہیں ہوں لیکن محدث اللہ و کلیم اللہ ہوں۔ اس لیے کہ دینِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجدید کروں۔ (ترجمہ) آئینہ کمالات اسلام حصہ دوم ص۳۸۳ فروری ۱۸۹۳ء)

• ہمارے سید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور بعد آنحضرت صلعم نبی نہیں آسکتا۔ اس لیے کہ اس شریعت میں نبی کے قائم مقام محدث رکھے گئے ہیں۔ (شہادت القرآن ص ۳۳/۲۷ ص ۳۴/۲۸ جون ۱۸۹۳ء)

• میرے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ میں نبوت کا دعویٰ کروں اور اسلام سے نکل جاؤں اور نافرمان قوم کے ساتھ مل جاؤں ... یہ حقیقت ہے کہ جو کچھ بھی قرآن کے خلاف ہے وہ جھوٹ اور بے دینی اور کفر ہے۔ پس میں کس طرح نبوت کا دعویٰ کر سکتا ہوں۔ حالانکہ میں مسلمان ہوں۔

(اردو ترجمہ۔ حمامۃ البشریٰ ص ۲۹/۱۳۱ ص۸۰ فروری ۱۸۹۴ء)

• قرآن کا مدِ نظر انسان کی تمام استعدادیں تھیں اور ہر ایک استعداد کی اصلاح منظور تھی اور اسی وجہ سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ٹھہرے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر وہ تمام کام پورا ہو گیا جو پہلے اس سے کسی نبی کے ہاتھ پر پورا نہیں ہوا تھا۔ (ست بچن ص ۲۷۳/۱۴۹ نومبر ۱۸۹۵ء)

• اگر کوئی کہے کہ فساد اور بدعقیدگی اور بداعمالیوں میں یہ زمانہ بھی تو کم نہیں پھر اس میں کوئی نبی کیوں نہیں آیا تو جواب یہ ہے کہ وہ زمانہ توحید اور راست روی سے بالکل خالی ہو گیا تھا اور اس زمانہ میں چالیس کروڑ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہنے والے موجود ہیں اور اس زمانہ کو بھی خدا تعالیٰ نے مجدد کے بھیجنے سے محروم نہیں رکھا۔

(نور القرآن ص۳۹/۱ ۱۸۹۵ء)

• کیا ایسا شخص جو قرآن شریف پر ایمان رکھتا ہے اور آیت وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ - کو خدا کا کلام یقین رکھتا ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ میں بھی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد رسول اور نبی ہوں۔

(انجام آتھم ص۲۷ ۱۸۹۶ء و ۲۲ جنوری ۱۸۹۷ء)

• جھوٹے الزام مجھ پر مت لگاؤ کہ حقیقی طور پر نبوت کا دعویٰ کیا۔ . حقیقی نبوت کے دروازے خاتم النبیین صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد بکلی بند ہیں۔

(سراج منیر ص۳ ۵ مئی ۱۸۹۷ء)

• ہمارے مخالف جب کہ اس بحث سے عاجز آجاتے ہیں تو افترا کے طور پر ہم پر تہمت لگاتے ہیں کہ گویا ہم نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور ہم معجزات اور فرشتوں کے منکر ہیں لیکن یہ یاد رہے کہ یہ تمام افترا ہیں۔

(کتاب البریہ ص۲۱۵/۱۹۷ ۲۴ جنوری ۱۸۹۸ء)

• قولہٗ - مسیح نبی ہو کر نہیں آئے گا امتی ہو کر آئے گا مگر نبوت اس کی شان میں مضمر ہوگی۔

• اقول - جب کہ شان نبوت اس کے ساتھ ہوگی اور خدا کے علم میں وہ نبی ہوگا تو بلاشبہ اس کا آنا ختم نبوت کے منافی ہوگا کیوں کہ درحقیقت وہ نبی ہے اور قرآن کی رو سے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد کسی نبی کا آنا ممنوع ہے۔

• اگر کوئی اور نبی نیا یا پُرانا آوے تو ہمارے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کیوں کر خاتم الانبیاءؑ رہیں۔ ہاں وحی ولایت اور مکالمات الٰہیہ کا دروازہ بند نہیں ہے۔

(ایام الصلح ص۳۰۹/۸۴ ص۷۵ جنوری ۱۸۹۹ء)

• میں ولایت کے سلسلہ کو ختم کرنے والا ہوں۔ جیسا کہ ہمارے سیّد آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نبوت کے سلسلہ کو ختم کرنے والے تھے۔ اور وہ خاتم الانبیاءؑ ہیں اور میں خاتم الاولیاء ہوں۔ (خطبۂ الہامیہ ص۴۹ ص۷ - ۱۱ اکتوبر ۱۹۰۰ء)

نوٹ: ۱۸۹۱ء سے ۱۹۰۰ء تک کی ۱۵ کتابوں کے ۲۲ - اقتباسات سے ظاہر ہو رہا ہے کہ مرزا صاحب نبوت کے مدعی نہیں تھے۔ وہ بھی جملہ مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق مدعی نبوت کو خارج از اسلام، کافر اور ملعون سمجھتے تھے۔

(جاری ہے)

ٹینٹ اور ترپال

بنانے کا ممتاز ادارہ

ایچ نظام دین اینڈ سنز

مرکزی دفتر

محمد بن قاسم روڈ۔ کراچی

عورت اور اسلامی معاشرہ

قسط ۳

احمد افضال

(۳) خاندانی نظام میں مرد کی قوامیت اسلام میں عورت کے مقام کو سمجھنے کیلئے تیسرا بنیادی اصول یہ ہے کہ عائلی اور خاندانی نظام کو برقرار رکھنے کے لئے مرد کو عورت پر قوام بنایا گیا: ارشادِ ربانی ہے:-

"مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس فضیلت کی بنا پر جو اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر عطا کی ہے اور اس بنا پر کہ وہ ان پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ پس جو عورتیں صالح ہیں وہ اطاعت شعار ہوتی ہیں اور مردوں کی غیر موجودگی میں اللہ کی حفاظت و نگرانی میں ان کے حقوق کی نگرانی کرتی ہیں"۔ (نساء - ۳۴)

اس آیت میں خاندان اور گھر کے نظام اور مرد کے مقابلے میں عورت کی حیثیت کو واضح کرنے کے لئے تین باتیں ارشاد ہوئی ہیں۔

(۱) مرد عورتوں پر قوام ہیں

(۲) کیوں قوام ہیں ——— اور

(۳) ان کی قوامیت عورت سے کس شے کی مقتضی ہے

قوام یا قیم عربی زبان میں ایسے شخص کو کہتے ہیں جو کسی فرد یا ادارے کے انتظام کو ٹھیک ٹھیک چلانے اور اس کی حفاظت و نگہبانی کرنے اور اس کی ضروریات کا بندوبست کرنے کا ذمہ دار ہو۔ مراد یہ ہے کہ خاندان کے نظام کی خاطر مرد کو گھر کا سربراہ اور محافظ و نگران مقرر کیا گیا ہے۔ جس طرح ایک ملک کے دو صدر نہیں ہو سکتے اسی طرح ایک خاندان کے دو نگران یا دو سربراہ نہیں ہو سکتے۔ گھر کا سربراہ مرد کو کیوں بنایا گیا، عورت کو کیوں نہ بنا دیا گیا؟ سورۂ نساء کی اس آیت میں اس حکم کی دو وجوہات بیان کی گئی ہیں۔

اوّل: وہ فطری تفوق اور فضیلت جو صنفِ قوی کو صنفِ ضعیف پر حاصل ہے۔ مرد کو فطرت نے بعض ایسی خصوصیات اور قوتیں عطا کی ہیں جو عورت کو نہیں دیں یا اس سے کم دی ہیں۔ مرد میں فعل اور تاثیر کا مادہ رکھا گیا ہے اور عورت میں انفعال اور تاثر کا۔ خاندانی نظام کے بقا اور استحکام کے لئے ضروری ہے کہ ایک فرد فاعل ہو اور دوسرا منفعل۔ اگر دونوں میں ایک جیسی سختی ہو اور کسی کو کسی پر غلبہ حاصل نہ ہو تو سرے سے فعل ہی نہ ہو سکے۔ پس نسلِ انسانی کے تسلسل کو قائم رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ مرد یا عورت میں سے ایک کو دوسرے پر غلبہ حاصل ہو اور دوسرا پہلے کے مقابلے میں لطیف اور ضعیف ہو۔ عورت پر چونکہ بچہ کی پیدائش اور تربیت کی بھاری ذمہ داری رکھی گئی ہے لہٰذا غلبہ اور قوامیت مرد کو دیا گیا اور یہ عین فطرت کا تقاضا تھا۔

دوم: مرد کی قوامیت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کا کفیل ہے۔ یہ کفالت دو طرح کی ہے

(۱) مہر (۲) نفقہ

مہر: مرد کا فرض ہے کہ وہ عورت کو مہر ادا کرے کیونکہ اس کو بیوی پر جو حقوقِ زوجیت حاصل ہوتے ہیں وہ مہر کا معاوضہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے

"اور عورتوں کے مہر خوشدلی سے ادا کرو" (نساآء - ۴)

نکاح کے وقت عورت اور مرد کے مابین مہر کا جو معاہدہ طے ہوا ہے، اسے پورا کرنا مرد کی ذمہ داری ہے۔ اگر وہ مہر ادا کرنے سے انکار کر دے تو بیوی کو حق ہے کہ اپنے نفس کو اس سے روک لے۔ یہ ایسا فرض ہے جس سے سبکدوش ہونے کی صورت اس کے سوا کوئی نہیں کہ عورت شوہر کی ناداری کا لحاظ کر کے معاف کر دے یا احسان کر کے اپنے حق سے برضا و رغبت[1] دست بردار ہو جائے یا کچھ عرصہ کی مہلت دے۔ مہلت دینے کا جو مسئلہ ہے اسے مہر مؤجل کہتے ہیں۔ یعنی جس میں واضح طور پر مدت کا تعین ہو کہ اتنی مدت میں مرد اسے ادا کرے گا جس مہر کی قرارداد میں مدت کا تعین نہ ہو وہ عند الطلب

---

[1] اس سلسلے میں رضا و رغبت شرط ہے۔ اگر بیوی کسی دباؤ کی وجہ سے مہر معاف کرے اور بعد میں اس کا مطالبہ کرے تو حضرت عمرؓ اور قاضی شریحؒ کے فیصلے کے مطابق شوہر کو مہر ادا کرنا ہوگا۔ کیونکہ اس کا مطالبہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس نے خوشدلی سے مہر معاف نہیں کیا تھا۔

سمجھا جائے گا. شریعت نے مہر کی کوئی مخصوص مقدار مقرر نہیں کی۔ اس کا تعین تمدنی حالات اور مرد کی معاشی کیفیت کا لحاظ کرتے ہوئے کیا جانا چاہیئے۔

نفقہ: مرد کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ بیوی بچوں کے لئے کھانے، کپڑے اور رہنے سہنے کا انتظام کرے اور زندگی کی دوسری ضروریات فراہم کرے۔ اگر وہ اس کام میں سستی اور کوتاہی کا مظاہرہ کرے گا تو حکومت اسے ادائے فرض پر مجبور کرے گی بیوی اگر دولتمند ہو تب بھی شوہر نفقہ کی ادائیگی سے مستثنیٰ نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ مرد عورت پر فطری فضیلت اور انفاقِ مال کی وجہ سے قوام ہے۔ اس کی قوامیت بیوی سے دو باتوں کا تقاضا کرتی ہے:

(۱) اطاعت شعاری (۲) حفاظت للغیب

اطاعت: خاندان کے نظم کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ بیوی سربراہِ خاندان کی اطاعت کرے اور بچے اپنے والدین کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بہترین بیوی وہ ہے کہ جب تم اسے کسی بات کا حکم دو تو وہ تمہاری اطاعت کرے"۔

یہ اطاعت مشروط ہے۔ یعنی شوہر کسی ایسے کام کا حکم دے جس میں اللہ کی نافرمانی ہو یا خدا کے عائد کردہ کسی فرض سے رکنے کا حکم دے تو اس کی اطاعت سے انکار کر دینا بیوی کا فرض ہے۔ اس صورت میں اگر وہ شوہر کی اطاعت کرے گی تو دراصل خدا کی نافرمانی کرے گی۔ البتہ نفلی عبادات کے سلسلے میں اگر شوہر منع کرے تو اس کی بات ماننا چاہیئے۔

حفاظت للغیب: اس سے مراد یہ ہے کہ شوہر کی غیر حاضری میں بیوی اس کے مال حقوق، آبرو اور رازوں کی حفاظت کرے۔ حضورؐ نے فرمایا:

> "بہترین بیوی وہ ہے کہ جب تم اسے دیکھو تو تمہارا دل خوش ہو جائے، جب تم اسے کسی بات کا حکم دو تو وہ تمہاری اطاعت کرے اور جب تم گھر میں نہ ہو تو تمہارے مال کی اور اپنے نفس کی حفاظت کرے"۔

حجۃ الوداع کے خطبے میں آپؐ نے فرمایا:

> "بیویوں پر تمہارا حق یہ ہے کہ تمہارے فرش کو ایسے لوگوں سے نہ روندوائیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو اور تمہارے گھروں میں ایسے لوگوں کو آنے کی اجازت نہ دیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو"۔ (ترمذی)

اگر بیوی میں بداخلاقی کی مشتبہ علامتیں پائی جائیں اور وہ سرکشی کی طرف مائل ہو تو شوہر کو سختی کرنے کا حق دیا گیا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

"اور جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو، انہیں سمجھاؤ (نہ مانیں تو) خواب گاہوں میں ان سے علیحدہ رہو (تب بھی باز نہ آئیں تو) مارو پھر اگر وہ تمہاری مطیع ہو جائیں تو خواہ مخواہ ان پر دست درازی کے لئے بہانے نہ تلاش کرو۔" (نساء: ۳۴)

اس سلسلے میں دو باتیں سمجھ لینی چاہئیں:

(۱) جہاں ہلکی تدبیر سے اصلاح ہو سکتی ہو وہاں سخت تدبیر سے کام نہ لینا چاہئے۔

(۲) بیوی کو مارنے کی اجازت محض احتیاطی اور اصلاحی تدبیر ہے۔ اسے عمومی طور پر پسندیدہ نہیں سمجھا گیا ہے کسی شوہر کو حق نہیں کہ وہ چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر بیوی کو زدوکوب کرتا رہے۔ حکم ہے کہ بلاضرورت نہ پیٹو۔ چہرے پر نہ مارو اور نہ اس طرح مارو کہ زخم پیدا ہو جائیں۔ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی یا خادم کو کبھی نہیں مارا اور نہ کسی اور شخص پر کبھی اپنا ہاتھ اٹھایا۔ ہاں اللہ کی راہ میں یا حرماتِ الٰہی کی بے حرمتی کی وجہ سے اللہ کی خاطر کسی کو سزا دی ہو تو یہ اور بات ہے[۱]۔"

عورت کی اہم حیثیتیں

اسلام میں عورت کے مقام کے سلسلے میں تین اساسی اصول سمجھ لینے کے بعد آیئے عورت کی معاشرے میں اہم حیثیتوں کو بھی پہچان لیں۔ مغربی معاشرے میں عورت کی صرف ایک حیثیت مقبول ہے اور وہ ہے محبوبہ —— اسلام میں بس یہی حیثیت نہیں ہے۔ قرآن و سنّت کی تعلیمات میں عورت کے جو اہم روپ سامنے آتے ہیں وہ نہایت مقدس رشتوں سے عبارت ہیں۔ عورت یا تو ماں ہے، یا بہن ہے ورنہ بیوی ہے یا بیٹی ہے۔ ان قابلِ احترام رشتوں کے لئے عزت کا جو بلند مقام اسلام نے عطا کیا ہے اس کی نظیر کسی دوسرے مذہب، فلسفے یا نظامِ حیات

---

[۱] فتح الباری بحوالہ نسائی

میں نہیں ملتی۔

ماں اسلام نے والدین کی خدمت و اطاعت پر زور دیا ہے لیکن ماں کا حق زیادہ بتایا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں آیا ہے:

"درحقیقت ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی تاکید کی ہے۔ اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دو برس دودھ چھوٹنے میں لگے۔" (لقمان۔ ۱۴)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ

"ایک شخص نے پوچھا" اے اللہ کے رسولؐ! میرے حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟" آپؐ نے فرمایا "تیری ماں" پوچھا "اس کے بعد کون؟" فرمایا "تیری ماں" پوچھا "پھر کون؟" فرمایا "تیری ماں" پھر پوچھا "اس کے بعد کون؟" جواب ملا "تیرا باپ"۔

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کے حقوق کو باپ کے مقابلے میں تین گنا زیادہ بتایا ہے۔ فقہا نے کہا ہے کہ اگر والدین کو کچھ دینا ہو تو پہلے ماں کو دے اور باپ سے چار گنا زیادہ دے۔ اگر دونوں ایک ساتھ پانی مانگیں تو پہلے ماں کو پلائے۔ مزید یہ کہ جب والدین میں سے دونوں کی رعایت بیک وقت مشکل ہو تو والد کا حق مقدم رکھے۔ مگر خدمت میں ماں کو اوّلیت دے۔[1]

ماں کی عظمت اور حقوق کی فوقیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگر وہ مشرک اور کافر ہو تب بھی حسنِ سلوک کی مستحق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"خدا نے تم پر ماؤں کی حق تلفی اور نافرمانی حرام کی ہے"۔[2]

آپؐ کا ارشاد ہے کہ:

"جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے"

بیوی ہم دیکھتے ہیں کہ فطری قانون کے مطابق ضعیف کو قوی کے مقابلے میں زیادہ رعایت

---

[1] فتاویٰ عالمگیری

[2] بخاری و مسلم

دی جاتی ہے۔ مثلاً درخت اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکتے۔ لہٰذا انہیں کھڑے کھڑے خوراک مل جاتی ہے۔ جانور چل پھر سکتے ہیں اس لئے انہیں اپنی غذا خود جاکر تلاش کرنا پڑتی ہے۔ انسان نباتات اور حیوانات دونوں سے افضل اور برتر ہے۔ لہٰذا اسے کم رعایت ملی ہے۔ انسان کو محنت کر کے پیسہ کمانا پڑتا ہے اور کھانا بھی پکائے بغیر نہیں کھا سکتا۔ اسلام دینِ فطرت ہے اس لئے اس نے اپنے ہر حکم میں فطری قانون کو ملحوظ رکھا ہے۔ مرد کو اگر عورت پر فضیلت دی ہے تو عورت کو مرد کے مقابلے میں زیادہ رعایتیں بھی عطا کی ہیں۔ مردوں کو حکم ہے کہ وہ اپنے اختیارات کا ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں بلکہ بیوی کے ساتھ نیک سلوک کریں۔ قرآن کہتا ہے:

"اور عورت کے ساتھ نیک سلوک کی زندگی گزارو۔ پھر اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو، مگر اللہ نے اس میں (تمہارے لئے) بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔" (نسآء - ۱۹)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کوئی مومن شوہر اپنی مومن بیوی سے نفرت نہ کرے، اگر اس کی ایک عادت پسند نہیں آتی تو دوسری عادتیں پسند آئیں گی۔"[۱]

آپؐ کا ارشاد ہے:

"تم میں سے بہتر لوگ وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے لئے بھلے ہوں"

ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

"دنیا کی نعمتوں میں سے کوئی چیز نیک بیوی سے بڑھ کر نہیں ہے۔"[۲]

آپؐ نے مردوں کو تنبیہہ فرمائی ہے کہ

"خوب یاد رکھو بیویوں کا تم پر حق ہے کہ تم ان کے لباس اور خوراک کے لئے حسنِ انتظام کرو۔"[۳]

نیز آپؐ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ:

"بیوی کا حق یہ ہے کہ جب تو کھائے تو اسے کھلائے اور جب تو پہنے تو اسے پہنائے

---

[۱] مسلم [۲] ابن ماجہ [۳] ابن ماجہ

اور اس کے چہرے پر نہ مارے اور اس کے لئے بد دعا کے الفاظ نہ کہے اور اگر اس سے ترکِ تعلق کرے تو صرف گھر میں کرے[1]"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

"عورتوں کے لئے بھی معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں۔ البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے" (بقرہ - ۲۲۸)

مرد کو ایک درجہ زیادہ اس لئے دیا گیا ہے کہ وہ عورت کی نگرانی و نگہبانی کا فرض انجام دے سکے اور گھر کا نظام اچھی طرح چل سکے۔ لیکن مرد کے معمولی سے تفوّق کا ان حقوق پر اثر نہیں پڑتا جو اسلام نے عورت کو بحیثیت بیوی دیئے ہیں۔ مثلاً خلع کا حق جس طرح مرد کو طلاق کا حق حاصل ہے، اسی طرح عورت کو بھی اختیار ہے کہ جس مرد کو وہ ناپسند کرتی ہے اور کسی طرح اس کے ساتھ نہیں رہ سکتی تو اس سے خلع حاصل کر لے۔ قرآن مجید میں ہے:

"تمہارے لئے حلال نہیں کہ جو کچھ تم بیویوں کو دے چکے ہو اس میں سے کچھ بھی واپس لو، الّا یہ کہ میاں بیوی کو یہ خوف ہو کہ وہ حدود اللہ پر قائم نہ رہ سکیں گے۔ ایسی صورت میں کوئی مضائقہ نہیں اگر عورت کچھ معاوضہ دے کر عقدِ نکاح سے آزاد ہو جائے" (بقرہ - ۲۲۹)

یعنی اگر زن و شوہر میں موافقت نہیں ہو پا رہی، یا شوہر کسی وجہ سے بیوی کے لئے ناقابلِ برداشت ہے تو بیوی کچھ معاوضہ دے کر طلاق لے سکتی ہے۔ اگر شوہر طلاق دینے پر آمادہ نہ ہو تو بیوی کو یہ حق ہے کہ وہ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے اور قاضی صورتحال کا جائزہ لے کر تفریق کرا دے۔ اگر شوہر پاگل پن یا کسی اور مرض کی وجہ سے بیوی کے لئے تکلیف دہ ہو تب بھی عدالت کو تفریق کرا دینے کا اختیار ہے۔

اسلام نے اس کو پسند نہیں کیا ہے کہ شوہر اپنی بیوی کے داعیاتِ نفس کو پورا کرنے سے کسی جائز عذر کے بغیر، محض اسے تکلیف پہنچانے کے لئے پہلوتہی کرے۔ اسے اصطلاح میں ایلاء کہتے ہیں اور اس کی زیادہ سے زیادہ مدت چار ماہ ہے۔ اس عرصے کے اندر مرد پر لازم ہے کہ اپنی بیوی سے تعلقِ زن و شو قائم کرے۔ ورنہ مدت

---

[1] ابو داؤد

گزرنے کے بعد اسے مجبور کیا جائے گا کہ عورت کو چھوڑ دے[1]۔ اس قانون کا مقصد یہ ہے کہ شوہر اپنے اختیارات کا ناجائز فائدہ اٹھا کر بیوی پر ظلم نہ کر سکے۔

اسلام نے اس سے بھی منع کیا ہے کہ بیوی پسند نہ ہو مگر ستانے کی نیت سے بار بار طلاق دے کر رجوع کیا جائے جیسا کہ اسلام سے پہلے عرب میں رواج تھا۔ قرآن کی رُو سے جو شخص اپنی منکوحہ کو دو مرتبہ طلاق دے کر رجوع کر چکا ہو، وہ اپنی عمر میں جب کبھی اُسے تیسری بار طلاق دے گا، عورت اس سے مستقل طور پر جدا ہو جائے گی۔ ارشاد ربّانی ہے:

"اور جب تم عورتوں کو (دو مرتبہ) طلاق دیدو اور ان کی عدّت پوری ہونے کو آجائے تو یا تو بھلے طریقے سے انہیں روک لو یا بھلے طریقے سے رخصت کر دو۔ محض ستانے اور زیادتی کرنے کے لئے نہ روک رکھو۔ جو ایسا کرے گا وہ اپنے اوپر خود ظلم کرے گا۔ (البقرہ : ۲۳۱)

ضرر و تعدّی کی دوسری شکلیں مثلاً مار پیٹ، گالم گلوچ اور روحانی اور جسمانی اذیتیں پہنچانا سب حرام ہیں۔ ایسی صورت میں بیوی اس کی مستحق ہے کہ قانون کی مدد لے کر اس مرد سے چھٹکارا پالے۔

بیٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب میں بیٹی کی پیدائش پر غم کے بادل چھا جاتے تھے، اکثر اوقات اسے زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"اور جب قیامت میں زندہ گاڑی جانے والی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ تو کس جرم میں ماری گئی؟ (التکویر۔ ۸، ۹)

اسلام نے بیٹی کو بہت عزّت بخشی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ بالغ ہوگئیں تو وہ قیامت کے روز میرے ساتھ اس طرح آئے گا۔ یہ فرما کر آپؐ نے اپنی انگلیوں کو جوڑ کر بتایا۔"[2]

ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

"جس کے ہاں لڑکی ہو اور وہ اسے زندہ دفن نہ کرے، نہ ذلیل کر کے رکھے، نہ بیٹے کو اس

---

[1] سورۂ بقرہ۔ ۲۲۷ [2] مسلم

پر ترجیح دے اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باپ کو بتایا کہ بیٹی کا وجود تمہارے لئے شرم کا باعث نہیں بلکہ اس کی پرورش اور حق رسانی تمہیں دوزخ سے بچانے کا سبب بن جائے گی۔ آپؐ کا فرمان ہے:

"جس کے ہاں لڑکیاں پیدا ہوں اور وہ ان کی اچھی طرح پرورش کرے تو یہی لڑکیاں اس کے لئے دوزخ سے آڑ بن جائیں گی۔"[2]

نیز آپؐ نے فرمایا:

"جب کسی کے گھر لڑکی پیدا ہوتی ہے تو اس کے ہاں اللہ تعالیٰ فرشتے بھیجتا ہے جو آکر کہتے ہیں، گھر والو! تم پر سلامتی ہو۔ پھر فرشتے بچی کو اپنے سایہ میں لے لیتے ہیں، اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہیں اور کہتے ہیں "یہ کمزور جان ہے، جو ایک کمزور جان سے پیدا ہوئی ہے جو اس کی پرورش اور تربیت کرے گا، روزِ حشر اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے شاملِ حال ہو گی۔"[3]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چار بیٹیاں تھیں۔ جبکہ بیٹے نو عمری ہی میں وفات پا گئے تھے۔ آپؐ کی بیٹیوں سے محبت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ سفر پر جاتے تو بیٹی سے مل کر جاتے۔ واپسی پر ان کے گھر بطور خاص تشریف لے جاتے۔ وہ ملنے آتیں تو پیار سے کھڑے ہو جاتے اور ان کی پیشانی چومتے۔

---

[1] ابو داؤد [2] مسلم [3] طبرانی

نوٹ

"امیر تنظیم اسلامی کے شب و روز" کا جو مستقل عنوان ہم نے شروع کیا ہے، اس بار امیر تنظیم کے بھارت تشریف لے جانے کے باعث ہمارے پاس اس کی تفصیلات نامکمل رہیں۔ چنانچہ اس ماہ وہ شائع نہیں کیا جا رہا۔ آئندہ ماہ ان شاء اللہ دو ماہ کی مصروفیات کا خلاصہ پیش کیا جائے گا

THE ORIGINAL
Coca-Cola
Have a Coke and a smile.
'COCA-COLA" AND "COKE ARE THE REGISTERED TRADE-MARKS WHICH IDENTIFY.
THE SAME PRODUCT OF THE COCA-COLA COMPANY.
paragon

افکار و آراء

مسئلۂ بیعت

عاکف بھائی! اسلام مسنون

لاہور میں آپ سے ملاقات پر عاجز نے عرض کیا تھا کہ ایک مقالہ "بیعت" کے عنوان و موضوع پر تیار ہے۔ جو وہاں (یعنی لاہور میں) مکمل میرے پاس نہیں تھا۔ گھر آ کر دیکھا تو اسے کئی اعتبارات سے نامکمل پایا چنانچہ از سرِ نو اسے مرتب کیا اور کچھ عنوانات کا اضافہ بھی کیا...

دو ماہ تک یہ مضمون طاقِ نسیاں کی زینت بنا رہا کہ اچانک ایک بار پھر اس مضمون کی یاد آئی۔ جب "میثاق" کے ایک شمارے میں مولانا سید مودودی مرحوم کا ایک مکتوب بیعت کے متعلق سامنے آیا۔ جس کے لیے ایک ادارتی نوٹ بھی لکھا گیا تھا جس میں مجھے مرحوم پر طنز کا سا انداز نظر آیا۔ جس سوالیہ نشان پر یہ انداز اختیار کیا گیا تھا اس کا جواب بھی اس مضمون میں موجود ہے۔ یہ معاملہ اس بات کی تمہید بنا کہ مجھے یہ جرأت ہوئی کہ اس مضمون کو اس کی تمام تر کمزوریوں کے ساتھ ارسال کر دوں...

طالب خیر و دعا آپ کا بھائی

قاضی ظفر الحق

(واہ کینٹ)

حقیقتِ بیعت ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسہم واموالہم بان لہم الجنۃ ط یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون قف وعدا علیہ حقا فی التورٰۃ والانجیل والقرآن ط ومن اوفیٰ بعہدہٖ من اللہ فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم بہ ط وذالک ھو الفوز العظیم ۝

ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مومنین سے ان کی جانوں اور مالوں کو اس بات کے عوض میں خرید لیا ہے کہ انہیں جنت ملے۔ وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں جس میں قتل کرتے

ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں۔ اس (طرزِ عمل) پر سچا وعدہ کیا گیا ہے، توراۃ میں بھی، انجیل میں بھی اور قرآن میں بھی۔ اور (یہ مسلّم ہے کہ) اللہ سے زیادہ اپنا عہد کون پورا کرنے والا ہے، تو تم لوگ اپنی اس بیع پر جس کا تم نے (اللہ تعالیٰ سے) معاملہ ٹھہرایا ہے خوشی مناؤ، اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ (بیان القرآن از حضرت تھانویؒ)

یہ آیت اس حقیقت کی طرف دلالت کرتی ہے کہ خرید و فروخت کا یہ معاملہ حق تعالیٰ اور مومنین کے درمیان طے ہوا ہے جس میں مشتری یعنی خریدار اللہ تعالیٰ ہیں اور بائع یعنی فروخت کنندہ مومنین ہیں اور معاملہ یہ ہے کہ مومنین کرامؒ غلبہ دینِ حق کے لیے اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد و قتال فی سبیل اللہ کریں گے۔ جس میں یا تو کفار کو قتل کر کے دینِ حق کو غالب کر دیں گے۔ یا پھر اس کوشش میں ان کے ہاتھوں جامِ شہادت نوش کریں گے۔ اس کے صلے میں اللہ جلّ شانہٗ انھیں جنت عطا فرمائیں گے۔ جو بالیقین بہت بڑی کامیابی ہے۔ اس صلے کا پکا وعدہ اللہ جلّ جلالہٗ نے تورات، انجیل اور قرآن میں فرمایا ہے تو جو شخص یہ تجارت کرے جان لے کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ عہد نبھانے والا کوئی نہیں۔

بیعت کے دو حصے یا دو بیعتیں

یٰاَیُّھا الذین آمنوا ھل ادلکم علی تجارۃٍ تنجیکم من عذاب الیم ہ تؤمنون باللہ ورسولہ وتجاھدون فی سبیل اللہ باموالکم وانفسکم ط ذٰلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون ۝ الصف

ترجمہ: اے ایمان والو! کیا میں تم کو ایسی سوداگری نہ بتلاؤں جو تم کو دردناک عذاب سے بچالے (وہ یہ ہے کہ) تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کرو یہ تمہارے لیے بہت ہی بہتر ہے۔ اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو۔

(بیان القرآن از حضرت تھانوی)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی راہنمائی ایک ایسی تجارت کی طرف فرمائی ہے جس کے کرنے سے ہی مسلمان دردناک عذاب سے چھٹکارا حاصل کر سکتے ہیں۔ مزید یہ کہ اس تجارت کے سبب سے ان کے گناہوں کی مغفرت کر دی جائے گی۔ انہیں ایسی جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ جس میں نہریں بہتی ہوں گی، اس میں انہیں رہنے کے لیے پاکیزہ ٹھکانے مہیا کیے جائیں گے جو ظاہر ہے کہ بہت عظیم کامیابی ہے اور اس کے کرنے سے دنیا میں انہیں اللہ تعالیٰ کی نصرت اور کفار کے خلاف فتح مبین بہت جلد ہی نواز دیا جائے گا۔ ان آیات میں بیان کردہ تجارت دو اجزا پر مشتمل ہے یعنی ایمان باللہ و بالرسول اور جہاد فی سبیل اللہ۔ ہم یہاں ان اجزاء کی مختصر تشریح کرتے ہیں۔

ایمان کا مادّہ ہے اَمن جس کے معنی سکون اور عدم انتشار یا عدم خلفشار کے ہیں اصطلاح میں اس سے مراد دل میں یقین کی ایسی کیفیت کا پیدا ہو جانا ہے جس سے اللہ، رسالت اور آخرت کے بارے میں بے

تشکیک کا سایہ بھی دل پر نہ پڑے۔ یقین کے تین درجات ہیں۔ جو علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین ہیں۔ حق الیقین کو قرآن اطمینان قلب سے یہی تعبیر کرتا ہے جیساکہ سورۂ بقرہ میں حضرت ابراہیم اور طیور کے قصے میں مذکور ہوا ہے اور حدیث اسے احسان کا نام دیتی ہے یعنی ایمان کی بلند ترین چوٹی جیساکہ حدیث جبرائیل میں وارد ہوا ہے کہ ان تعبد اللّٰہ کانك تراہٗ فان لم تکن تراہٗ فانہٗ یراك۔ یقین کے یہ درجات معرفتِ الٰہیہ میں مسلسل ترقی ہونے اور حدیث و اسوۂ نبوی کا حکیمانہ علم حاصل کرنے سے حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ اس غرض کے حصول کے لیے کسی طریقۂ نبوی کے عالم اور اس پر عامل شخص کے ہاتھ پر بیعت ارشاد کی جاتی ہے تاکہ شریعت محمدی کے تمام کلیات و جزئیات کی حقانیت مبرہن ہو کر دل میں جاگزیں ہو جائے۔ اور اتباع نبویؐ کا کامل التزام ہو سکے جس کے سبب سے ذاتِ باری تعالیٰ کی محبت دل میں راسخ ہوتی ہے اور نتیجۃً حق تعالیٰ کی محبت اس بندے کی طرف التفات کرتی ہے۔ جس کے بغیر ترقی ایمان ناممکن ہے۔ قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ۔

بیعت ارشاد کا اصل مقصد یہی ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ علمی طور پر نورِ حق کا احقاق اور ظلمتِ باطل کا ابطال کیا جا سکتا ہے۔ یہ بیعت عین مطابقِ قرآن و سنت ہے۔ جہاد فی سبیل اللّٰہ اس تجارت کا دوسرا اور لازمی جزو ہے اس کے بغیر یہ تجارت مکمل نہیں ہوتی۔ جہاد فی سبیل اللّٰہ کی غرض و غایت غلبۂ دینِ حق علی الدین کلہ اور اتمامِ نورِ حق ہے جب تک یہ مقصد باقی ہے تمام امت مسلمہ پر جہاد فرض ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے بیعتِ جہاد کی جاتی ہے اور یہ بھی عین مطابقِ قرآن و سنت ہے یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ عذاب الیم سے چھٹکارا اور دیگر انعامات بیک وقت یہ دونوں کام کرنے پر ملیں گے اگر مسلمان ادھوری تجارت کریں گے تو امید بھی ویسے ہی صلے کی کرنی چاہیئے۔

بیعتِ جہاد کا ایک نمونہ

ان الذین یبایعونك انما یبایعون اللّٰہ ید اللّٰہ فوق ایدیھم ج فمن نکث فانما ینکث علی نفسہٖ ومن اوفی بما عٰھد علیہُ اللّٰہ فسیؤتیہ اجراً عظیماً ؁ (الفتح)

ترجمہ: ”جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں تو وہ واقع میں اللّٰہ سے بیعت کر رہے ہیں خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے پھر بعد بیعت کے جو شخص عہد توڑے گا سو اس کے بیعت توڑنے کا وبال اسی پر پڑے گا۔ اور جو شخص اس بات کو پورا کرے گا جس پر بیعت میں خدا سے عہد کیا ہے تو عنقریب خدا تعالیٰ اس کو بڑا اجر عطا فرمائیں گے“ (بیان القرآن)

یہ آیتِ مبارکہ صلح حدیبیہ کے موقع پر اس وقت نازل ہوئی جب آنحضرت علیہ الصلوٰۃ و السلام نے خونِ عثمانؓ کا بدلہ لینے کے لیے صحابہ کرام سے جاں فروشی کی بیعت لی اس بیعت پر حق

تعالیٰ نے پسندیدگی کا اظہار فرمایا اور فرمایا۔ لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ۔ اسی لیے یہ بیعت بیعتِ رضوان کہلاتی ہے۔ اس آیت مبارکہ سے چند امور کی وضاحت ہوتی ہے۔ اوّلاً یہ کہ بیعت در حقیقت اللہ تعالیٰ سے ہے ثانیاً یہ کہ بیعت لینے کا طریقہ ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کرنا یا لینا ہے۔ ثالثاً یہ کہ بیعت کر کے بلا قوی وجہ صحیح کے توڑنی نہیں چاہیئے اس سے گناہ ہوتا ہے۔ رابعاً یہ کہ جس امر پر بیعت کی جائے۔ اسے نبھانے پر حق تعالیٰ کی طرف سے اجرِ عظیم کا وعدہ کیا گیا ہے۔

بیعتِ ارشاد کا ایک نمونہ

یٰاَیُّھا النبیّ اذا جاءک المؤمنٰت یبایعنک علیٰ ان لّا یشرکن با للہ شیئاً وّلا یسرقن ولا یزنین وَلا یقتلن اولادھن وَلا یأتین ببھتانٍ یفترینہٗ بین ایدیھن وارجلھن ولا یعصینک فی معروفٍ فبایعھن واستغفرلھن اللہؕ ان اللہ غفورٌ رحیمٌ۝ (الممتحنہ)

ترجمہ: اے نبیؐ جب آویں تیرے پاس مسلمان عورتیں، اقرار کرنے کو اس پر کہ شریک نہ ٹھہراویں، اللہ کا کسی کو اور بدکاری نہ کریں اور اپنی اولاد نہ ماریں اور طوفان نہ لاویں، باندھ کر اپنے ہاتھوں اور پاؤں میں اور تیری بے حکمی نہ کریں۔ کسی بھلے کام میں تو ان سے اقرار کرا اور معافی مانگ ان کے واسطے اللہ سے۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (موضح قرآن از شاہ عبد القادرؒ)

اس آیت میں آنحضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عورتوں کی بیعت کا تذکرہ ہے اس لیے چند امور کی وضاحت ہوتی ہے۔ اوّل یہ کہ بیعت ارشاد لیتے وقت کبائر اور شرک سے اجتناب کا اقرار کرانا چاہیئے دوم یہ کہ فی المعروف میں اطاعت کا اقرار لینا چاہیئے اس سے معلوم ہوا کہ جب فی المعروف کی قید رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت کے وقت بھی اللہ تعالیٰ نے لگادی تو پھر اور کون ایسا ذی وقار اور صاحب امر واطاعت ہے جس کی اطاعت غیر معروف میں جائز ہو حدیث لاطاعۃ لمخلوقٍ فی معصیۃ الخالق۔ اس ہی کی تشریح بیان کرتی ہے۔ اس آیت سے اس امر کا بھی اظہار ہوتا ہے کہ عورتوں کے لیے صرف بیعتِ ارشاد ہی ہے کیونکہ بیعت جہاد صرف مکلفینِ جہاد ہی سے ہے اور عموماً عورتیں اس کی مکلف نہیں۔ اس آیت سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ معاشرے میں مروجہ برائیوں اور منکرات سے اجتناب کا بیعت ارشاد میں عہد لینا چاہیئے۔ اس آیت کے آخری حصے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بیعتِ ارشاد لینے والے کو بیعت کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے بھلائی طلب کرنی چاہیے اور ان کے لیے استغفار کرنی چاہیئے۔

ایک اشکال اور سلف صالحین کے عمل کی روشنی میں اس کا حل

جب دونوں بیعتیں ایمان و جہاد اور ترقی درجات اور اقامت دین کے لیے ضروری ہیں تو پھر کیا یہ ضروری نہیں کہ دونوں ایک ہی شخص کے ہاتھ پر کی جائیں؟ اگرچہ یہ درست ہے کہ اصل مقصود دونوں بیعتیں کیے بغیر حاصل نہیں ہوتا مگر یہ ضروری نہیں کہ انہیں ایک ہی فرد میں جمع بھی کر دیا جائے۔ خلفائے راشدین کے بعد جب سند خلافت پر کبھی اہل اور کبھی نااہل افراد رونق افروز ہونے لگے تو یہ ممکن نہ رہا کہ ان کی صحبت میں بھی ایمان و تقویٰ کمال درجے تک پہنچ سکے چنانچہ ائمہ تابعین نے بیعتِ جہاد و اقامتِ دین تو انہیں کے ہاتھ پر باقی رکھی اور بیعتِ تقویٰ کے لیے دیگر کبار صلحاء اور اتقیاء سے رجوع کیا میرے علم کے مطابق سب سے پہلے بیعت ارشاد امام حسن بصری نے لی پھر یہ سلسلہ چل نکلا۔ اور تصوف کے سلاسل اس کام کے لیے وجود میں آ گئے۔

احادیث میں بیعت کی تاکید

بیعت کی احادیث مبارکہ میں بھی بہت تاکید آئی ہے ازالۃ الخفاء کی جلد اوّل کی فصل اوّل میں حضرت شاہ ولی اللہ نے ایک حدیث نقل فرمائی ہے جو یہ ہے۔ من مات ولیس فی عنقہ بیعۃ مات میتۃً جاھلیۃ۔ جو شخص اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں بیعت نہیں (یعنی کسی امیر کی بیعت کا طوق گردن میں نہیں) وہ جاہلیت کی موت مرا۔ اس حدیث مبارکہ میں بغیر بیعت کے زندگی پر بڑی شدید وعید آئی ہے۔ اس لیے کہ بیعت کر کے آدمی اپنی زندگی اسلامی نظم جماعت اور قانونِ الٰہی کے مطابق گزارنے کا عہد کرتا اور اس کے مطابق پابند ہوتا ہے۔ جو شخص امیر کی بیعت نہیں کرتا گویا وہ قانونِ الٰہی سے دور اور آزاد رہ کر زندگی گزارنا چاہتا ہے لہٰذا وہ جاہلیت میں زندہ رہا اور جاہلیت میں مرا۔ دوسرے یہ کہ بیعت قیام خلافت و امارتِ شرعیہ کے حصول کا ذریعہ ہے اور مسلمانوں پر فرض ہے کہ قیام خلافتِ اسلامیہ کے ذریعے جہاد و قضا، احیائے علوم دین اور اقامت ارکان اسلام کریں نیز کفار کے شر کو حوزۂ اسلام سے دفع کریں لہٰذا جو شخص بیعت نہ کر کے ان امور و فرائض کی انجام دہی سے علاحدہ رہتا ہے وہ اسلام کو کمزور اور باطل کو توانا کرتا ہے چنانچہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ یہ حدیث بیعتِ جہاد و اقامت دین کے بارے میں وارد ہوئی ہے اور بیعتِ تقویٰ صرف سنت ہے صلحائے امت اور علماء دین نے اس کے تارک پر ملامت نہیں کی اور یہ اجماع امت ہے۔ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بیعت کا بہت اہتمام فرماتے۔ اور اسی قدر تاکید بھی۔ حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔

ومما لاشك فيه ولا شبهة انه اذا ثبت عن رسول الله صلى الله

علیہ وسلم فعلٌ علیٰ سبیل العبادۃ والاھتمام بشانہٖ فانہٗ لاینزل عن کونہٖ سنۃً فی الدین۔

ترجمہ: اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ جب ثابت ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی عمل بطریقِ عبادت (نہ کہ بسبیلِ عادت) اور اہتمام کے ساتھ ہو تو وہ عمل سنت دینی سے کمتر نہیں۔ (القول الجمیل)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ آنحضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے ثابت شدہ بیعتوں کو جمع فرماتے ہیں:

واستفاض عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الناس کانوا یبایعونہ تارۃً علی الھجرۃ والجھاد وتارۃ علی اقامۃ ارکان الاسلام وتارۃ علی الثبات والقرار فی معرکۃ الکفار وتارۃ علی التمسک با لسنۃ والاجتناب عن البدعۃ والحرص علی الطاعات کما صح انہٗ صلی اللہ علیہ وسلم بایع نسوۃً من الانصار ان لا ینحن۔

ترجمہ: اور احادیث مشہورہ میں منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے بیعت لیتے تھے کبھی ہجرت وجہاد پر، کبھی اقامت ارکان اسلام پر اور کبھی کفار کے مقابلے میں معرکے میں ثبات وقرار پر، کبھی سنت پر جمنے اور بدعت سے بچنے پر اور کبھی طاعات میں حرص ورغبت پر اور یہ بھی منقول ہے کہ آپؐ نے انصار کی عورتوں سے نوحہ نہ کرنے پر بیعت لی۔

صحیح بخاری میں غزوۂ خندق کے وقت کا ایک ترانہ جو صحابۂ کرام نے مل کر پڑھا، منقول ہوا ہے۔ اس میں بھی بیعتِ جہاد کا تذکرہ موجود ہے۔

نحن الذین بایعوا محمدًا علی الجھاد ما بقینا ابدًا

ترجمہ: ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمدؐ سے جہاد پر ابدی بیعت کی ہے جب تک جان میں جان ہے۔

جس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اللّٰھم لاعیش الا عیش الآخرۃ اللّٰھم اغفر الانصار والمھاجرۃ

ترجمہ: اے ہمارے اللہ زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے (مہاجرین وانصار کے اس عمل یعنی بیعت پر) مہاجرین وانصار کی مغفرت فرمادے۔

غرض وغایتِ بیعت

شرع لکم من الدین ما وصی بہٖ نوحًا والذی اوحینا الیک وما وصینا بہٖ ابراھیم وموسیٰ

ومیسٰی ان اقیموالدین ولاتتفرقوفیہ ۔ (الشوریٰ آیت نمبر ۱۳)

بیعت فی نفسہ مطلوب نہیں ہے بلکہ بیعت اقامت دین کے حصول کا ذریعہ ہے۔ بیعتِ امامت یا امارت سے مقصود یہ ہے کہ اقامتِ دین کا کام منظم اور مشروع طریقے پر ہو سکے۔ اور ایک امیر کی امارت میں مسلمان جمع اور متحد رہیں کیونکہ تفریق دین میں حرام ہے۔ اور ایک امیر کی امارت میں جمع ہو کر اس تفریق کا امکان بہت کم ہو جاتا ہے۔

بیعت تقویٰ کیونکہ عام اور رائج ہے اس لیے اس کی اہمیت عوام و خواص میں مسلّم ہے مگر بیعت جہاد کیونکہ زوال امت کے وقت سے متروک ہے اس لیے طبیعتیں اس سے ناآشنا ہو گئی ہیں۔ اور دلوں سے اس کی عظمت و اہمیت نکل گئی ہے ہم یہاں اس کی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے اس کی غرض و غایت اقامتِ دین اور امارت اسلامیہ کی اہمیت کو واضح کرنے والی آیات اور احادیث بیان کرتے ہیں۔ جن کو مشت نمونہ از خروارے سمجھنا چاہیئے۔

قال اللہ تعالیٰ

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم (القرآن)

ولو ردوہ إلی الرسول وإلیٰ أولی الامر منھم (القرآن)

قال النبیؐ

من خرج من بیتہ مجاھدًا واصلح ذات البین وأطاع الإمام فنومہٗ و یقظتہٗ حسنۃٌ من لم یعرف إمام زمانہ فقد مات میتۃً جاھلیۃ۔

وقال انا امرکم بخمس با لجماعۃ والسمع والطاعۃ والھجرۃ والجھاد فی سبیل اللہ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول مبارک ہے۔

لا اسلام الا بجماعۃ ولاجماعۃ الابا لسماعۃ ولا سماعۃ الابا لطاعۃ (مشکوٰۃ)

یہ آیت اور احادیث اس بات کی بصراحت نشاندہی کرتی ہیں کہ اسلام میں اقامتِ دین اور جماعت و امارت کی کیا اہمیت ہے۔ جس بات کا آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اتنے اہتمام کے ساتھ حکم فرمایا ہو اور اس کو پورا کیے بغیر یا اس جدوجہد میں شریک ہوئے بغیر جو شخص مر جائے اسے جاہلیت کی موت کی وعید سنائی ہو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جن کا پایہ دین میں کسی سے مخفی نہیں وہ یہ فرمائیں کہ بلا جماعت اسلام ہی نہیں اور سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا حکم مبارک اطاعت کے بارے میں کہ امیر کی اطاعت کرو اور معاملات میں اس سے رجوع کرو کیا یہ اہلِ فہم حضرات

کے لیے قیامِ خلافت و امارتِ اسلامیہ کی جدوجہد کرنے اور اس غرض کے لیے بیعت کرنے اور لینے کے حق میں کم اور ناکافی دلائل ہیں۔

قیامِ خلافت اسلامیہ تقرریِ امیر صحابہؓ کے نزدیک کتنی اہمیت کے حامل کام تھے اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام نے آنحضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکفین و تدفین سے پہلے اسے سرانجام دیا۔ کبار صحابہؓ کا یہ عمل اس بات پر گواہ ہے کہ امت کو حتی الامکان تین دن بھی بغیر امیر کے نہ گزارنے چاہئیں۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ نے اپنی وفات سے قبل وصیت فرمائی تھی کہ امیر کے چناؤ کا فیصلہ تین دن میں کر لینا مگر ادھر مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ پوری پوری زندگیاں بغیر امیر اور اسلامی نظم جماعت کے گزر جاتی ہیں مگر اس فریضے کی ادائیگی کا خیال تک نہیں آتا اور اگر کوئی اللہ کا بندہ اقامتِ دین کے لیے کچھ سعی و جدوجہد کرنا بھی چاہے تو اس پر طرح طرح کے اعتراضات اور الزامات عائد کیے جاتے ہیں اور کیا عوام اور کیا خواص اس کے کام میں کیڑے نکالنے کا مستحسن فریضہ سرانجام دینے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہدایت و راہنمائی عطا فرمائے۔ اور حق کو پہچاننے اور اس کی اتباع کرنے اور اسے طاقتور کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ خلافت راشدہ کی بنیاد بھی بیعت پر رکھی گئی تھی مگر ہم یہ حصہ حذف کر رہے ہیں کیونکہ یہ بات اتنی ہی مسلم الثبوت ہے جتنی کہ آفتاب کی روشنی۔

بیعت اور تحریکیں

اس برصغیر پاک و ہند میں ایک عظیم تحریک جہاد و تنظیم، اصلاح و تجدید اور احیائے خلافت و امارتِ اسلامیہ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اٹھائی تھی۔ اس تحریک کی بنیاد بھی بیعت تھی۔ ہم یہاں حضرت مولانا علی میاں مدظلہٗ کی تصنیف گراں قدر "سیرت سید احمد شہید" سے اس کے ثبوت میں ایک مکتوب سید احمد شہید علیہ الرحمہ کا ایک حصہ نقل کر رہے ہیں۔ "قابل ذکر بات یہ ہے کہ ہر مرتبہ مجاہدین کا لشکر ایک بے سری فوج اور عام بلوائیوں کی طرح تھا اور کوچ و مقام میں کہیں نظم نہیں تھا اس لیے مال غنیمت شرع شریف کے قانون کے مطابق تقسیم نہ ہو سکا اس بنا پر تمام مسلمانوں نے جو موجود تھے۔ جن میں سادات، علماء، مشائخ، امراء اور خواص و عام تھے۔ بالاتفاق اس بات کو کہا کہ جہاد کا قیام اور کفر و فساد کا ازالہ امام کے تقرر کے بغیر مسنون اور شرعی طریقے پر انجام نہیں پا سکتا۔ اس بنا پر ۲ جمادی الاخرہ ۱۲۴۲ھ کو ان سب نے اس فقیر کے ہاتھ پر بیعت امامت کی اور اس کی اطاعت کا عہد کیا۔" میرے پاس سردست انڈونیشیا اور سوڈان میں اٹھائی گئی اسلامی تحریکیں جو خالص اقامت دین کے لیے اٹھائی گئی تھیں جنہیں امام بونجول اور سید احمد مہدیؒ سوڈانی نے اٹھایا ان کا کوئی مستند حوالہ موجود نہیں مگر ذاتی علم کی بنا پر عرض کر سکتا ہوں کہ ان کی بنیاد بھی بیعت پر تھی۔ موجودہ دور میں اقامتِ دین کے لیے دو عظیم الشان تحریکیں برصغیر پاک و ہند اور مصر و شام میں پروان چڑھیں جنہیں جماعتِ اسلامی اور الاخوان المسلمون کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ ان کے

نظریات اور طریق کار نیز عروج و زوال سے قطع نظر ہم صرف وہ شے جسے ان تحریکوں نے نظم جماعت کے لیے بنیاد بنایا بیان کرتے ہیں۔ وہ چیز بیعت ہے یا نہیں۔ ان میں الاخوان المسلمون کی بنیاد توروایتًا بھی بیعت پر تھی یعنی اس کی ہیئت نہیں بدلی گئی تھی، البتہ جماعت اسلامی کی بنیاد بیعت کی روایتی شکل کو بدل کر غیر روایتی شکل پر رکھی گئی جیساکہ آگے ثبوت کے طور پر مکتوبات مودودی میں آرہا ہے۔ امام حسن البنّا شہید کے قریب ترین ساتھی جناب امین اسماعیل صاحب اپنی تصنیف "الامام الشہید" کے صفحہ ۱۰۱ پر رقم طراز ہیں۔ "وہ ایک روز اچانک انہوں نے مجھے اپنے گھر طلب فرمایا، اور مجھے دیکھتے ہی میرا ہاتھ تھام کر بولے آئیے ہم بیعت کی تجدید کرلیں چنانچہ میں نے ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر خدا اور رسول کی وفاداری کا از سر نو عہد کیا۔"

امام مودودی رحمۃ اللہ علیہ اور بیعت

ہندوستان کے ایک سفیر محمد یونس صاحب نے حیدرآباد دکن سے بیعت کے اسلامی دستور پر وضاحت طلب کی تھی۔ اس کا جواب امام سید رحمۃ اللہ علیہ نے مارچ ۱۹۴۱ء میں اپنے ایک مکتوب کے ذریعے دیا جسے ہم محترم سید اسعد گیلانی کی تصنیف "سید مودودی دعوت و تحریک" کے باب مکتوبات و مخاطبات سے نقل کر رہے ہیں۔ اس مکتوب میں سے ہم نے وہ چیزیں جو نفس مضمون سے غیر متعلق تھیں حذف کردی ہیں مثلًا ان صاحب یا پیروں اور گدیوں سے متعلق باتیں۔

"اصطلاح میں بیعت سے مراد اطاعت اور پیروی کا اقرار ہے اس کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ وہ بیعت جو کسی خاص موقع پر کسی خاص معاملہ کے لیے ہو۔ جیسے بیعتِ رضوان تھی کہ حضرت عثمان کی شہادت کی افواہ سن کر حضورؐ نے اہلِ مکّہ سے جنگ کا ارادہ فرمایا اور اس وقت صحابہ کرام سے اس امر پر بیعت لی کہ وہ پیش آمدہ مہم میں آپ کے ساتھ جاں فروشی کریں گے۔

۲۔ دوسری وہ بیعت جو تزکیۂ نفس اور اصلاح اخلاق و روحانیت کی نیت سے ایک مرشد معلم اس شخص سے لیتا ہے جو اس کے پاس تربیت حاصل کرنے کے لیے آئے۔ یہ وہ بیعت تھی جو بالعموم اس شخص کو کرنی پڑتی تھی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ایمان لاتا تھا۔ آپؐ اس سے اقرار کراتے تھے کہ وہ شرک، زنا، چوری وغیرہ سے پرہیز کرے گا اور جو احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ پہنچائیں گے۔ ان کی اطاعت کرے گا۔ اس بیعت کے لینے کا حق یا تو نبی کو پہنچتا ہے یا اس شخص کو جو نبی کے طریقے پر ہو، یعنی طریقۂ نبوی کا صحیح علم رکھتا ہو اس پر خود بھی عامل ہو اور بیعت لینے سے اصلاح و ارشاد کے سوا قطعًا کوئی دوسری نیت نہ رکھتا ہو۔

۳۔ تیسری وہ بیعت ہے جو اسلامی جماعت کے امیر یا امام کے ہاتھ پر کی جاتی ہے اس کی نوعیت یہ ہے کہ جب تک امیر یا امام خدا اور اس کے رسول کا مطیع ہے اس وقت تک

جماعت کے تمام ارکان پر اس کی اطاعت فرض ہے "من مات ولیس فی عنقہ بیعۃ" اور دوسری تمام احادیث میں جس بیعت پر زور دیا گیا ہے ان میں سے مراد تیسری بیعت ہے کیونکہ اس پر اسلامی جماعت کی زندگی اور اس کے نظام کا قیام منحصر ہے اس سے الگ ہونے یا الگ رہنے کے معنی یہ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس کام کے لیے تشریف لائے تھے اور جس امر عظیم کا بار آپؐ امت پر چھوڑ گئے ہیں اس کو نقصان پہنچایا جائے یا ختم کر دیا جائے"

(سید مودودی دعوت و تحریک، مطبوعہ مارچ ۱۹۸۱ء صفحہ نمبر ۴۲۷، ۴۲۸ ۔ مکتوب نمبر ۱۳۱)

کتاب مذکورہ بالا میں ان مستفسر صاحب کے استفسارات تو موجود نہیں ہیں البتہ حضرت ممدوحؒ کے دوسرے جوابی مکتوب سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے جماعت اسلامی میں نظام بیعت کی عدم موجودگی پر استفسار کیا ہو گا۔ جس کا شافی جواب مولانا نے ۸ جون ۱۹۴۲ء کو دیا اسے بھی ہم مذکورہ بالا کتاب کے باب مکتوبات و مخاطبات کے مکتوب نمبر ۱۳۴ سے نقل کر رہے ہیں جو صفحہ ۴۳۰ اور ۴۳۱ پر درج ہے۔

"اصل یہ ہے کہ ایک چیز تو طریقہ بیعت وارشاد کی روح ہے اور دوسری چیز وہ خالص ہیئت و شکل ہے جس میں یہ طریقہ صدیوں سے متوارث چلا آرہا ہے جہاں تک اس کی اصل روح کا تعلق ہے وہ بالکل برحق، صحیح اور پاک ہے مگر جہاں تک اس کی ہیئت و شکل کا تعلق ہے وہ گمراہ کرنے والے پیروں اور جاہل مریدوں کے غلط طرز عمل کی وجہ سے اس قدر انحطاط کا شکار ہو گئی ہے اور اس کے ساتھ کچھ دوسرے لوازمات اس قدر خلط ملط ہو گئے ہیں کہ اصل روح نہ صرف یہ کہ اس کے اندر باقی نہیں رہی بلکہ جہاں نیک نیت لوگ اس ہیئت و شکل میں کوئی صحیح خدمت بھی کرتے ہیں وہاں بھی بہت جلدی اس کے خراب لوازم عود کر آتے ہیں، اس بنا پر میری رائے یہ ہے کہ پیری مریدی کی وہ خاص شکل بدل دی جائے اور اس کے بجائے ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا جائے جس میں سلسلہ بیعت وارشاد کی اصل روح تو موجود ہو مگر وہ خراب لوازم اور ایتلافات نہ ہوں میں نے بہت غور و خوض کے بعد جو صورت تجویز کی ہے وہ یہ ہے کہ اولاً ہاتھ میں ہاتھ لے کر بیعت نہ لی جائے بلکہ صرف زبانی عہد لیا جائے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں سے لیا کرتے تھے (گویا بنیاد بیعت ہی ہو گی مگر عام دستور اور مروجہ طریقے سے ہٹ کر) ثانیاً سلسلہ کسی شخص کی طرف منسوب نہ ہو۔ بلکہ "اسلام" کی طرف منسوب ہو تاکہ شخص خاص کی وابستگی آگے چل کر شخصیت پرستی تک نہ پہنچ سکے۔ ثالثاً تزکیۂ نفس اور اجرائے احکام اور اقامت نظم و انضباط وغیرہ کا کام جس شخص کے ہاتھ میں ہو وہ اس کی ذاتی حیثیت میں نہ ہو بلکہ جماعت کا سردار ہونے کی حیثیت میں ہو۔ حتیٰ کہ جب ایک شخص سردار نہ رہے اور دوسرا شخص اس کی جگہ آئے۔ تو لوگوں کی اطاعت

وابستگی بھی پہلے شخص سے ہٹ کر دوسرے شخص کی طرف منتقل ہو جائے۔ نہ یہ کہ لوگ اسی شخص خاص کے گرویدہ رہیں جس کے امر پر ابتدا میں انہوں نے عہد کیا تھا یہ دونوں باتیں خلفائے راشدین کے دور کی تنظیم سے ہیں نے اخذ کی ہیں۔ ان کے مبارک دور میں اسلامی جماعت اسلام کی طرف منسوب تھی نہ کہ صدیق یا فاروق یا عثمان یا علی رضی اللہ عنہم کی طرف، اسی طرح لوگوں کی وابستگی

شخص صدیقؓ یا شخص فاروقؓ سے نہ تھی بلکہ امیر المؤمنین سے تھی جو بھی وقت کا امیر ہو اور

اطاعت نظام کی تھی نہ کہ شخص خاص کی"۔

اس سے معلوم ہوا کہ جماعتِ اسلامی کی بنیاد بھی اصلاً بیعت پر رکھی گئی تھی۔ البتہ بعض مصالح کی بنا پر معروف طریقۂ بیعت بدل دیا گیا تھا"

بیعت کے عنوان سے یہ مضمون تقریباً جامع ہے کیونکہ اسلامی دنیا میں سینکڑوں تحریکیں اٹھیں اور تقریباً سب ہی کی بنیاد بیعت تھی اور ہر ایک کا احاطہ بیان کرنا ہمارا مقصود نہیں بلکہ صرف یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ تنظیم اسلامی کوئی نئی نویلی تنظیم یا تحریک نہیں جس کی بنیاد بیعت پر رکھی گئی ہے۔ بلکہ اس سے پہلے بھی اقامت دین کے لیے اٹھنے والی تحریکیں بیعت کی بنیاد پر ہی قائم کی گئیں۔ چنانچہ ہم نے انتہائی معروف تحریکوں کو بطور ثبوت پیش کیا ہے۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

(۲)

آج کا مسئلہ

جناب آج کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ کوٹھی اور کار کس طرح حاصل کی جائے اور بنک بیلنس کس طرح بنایا جائے۔ کیونکہ اس کے بغیر آج کسی کی کوئی عزت نہیں۔ میں تنگ گلی کا رہنے والا ہوں۔ میرے کئی رشتہ دار امیر ہو گئے ہیں، انہوں نے باہر کوٹھیاں بنوالی ہیں۔ بیاہ شادی پر ان سے ملاقات ہو جائے۔ تو وہ میرے سلام کا سرسری جواب دیتے ہیں اور کوئی بات نہیں کرتے، لیکن میرا جو رشتہ دار سرمایہ دار ہے۔ اس کے ساتھ خندہ پیشانی کے ساتھ باتیں کرتے ہیں۔ ان کے سلام کے جواب کے ساتھ خیر خیریت دریافت کرتے ہیں۔ اور کوئی ان کی پرابلم ہو تو اس کے لیے اپنی مدد کی پیش کش کرتے ہیں۔ میرے سلام کے جواب کے بعد وہ میری طرف دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ کیونکہ میرے پاس بنگلا، بیوک، بنک بیلنس جیسی کوئی چیز نہیں۔ میں ان کے کسی کام نہیں آسکتا۔ وہ میرے بچوں کے ساتھ اپنے بچوں کا رشتہ نہیں کر سکتے، بلکہ وہ میری گلی میں نہیں آسکتے جس گھر میں ان کے بزرگ رہتے تھے اور جہاں انہوں نے خود سرمایہ دار بننے تک زندگی گذاری تھی وہاں آنا ان کے لیے شرمندگی کا باعث

بن گیا ہے۔ دوستو! اب میں تمہیں ایک بات بتانے لگا ہوں کہ میں بھی سرمایہ دار بننے کی سوچ رہا ہوں۔ میں دفتر میں ملازم ہوں۔ میں کوشش کروں تو میرے لیے کئی رستے کھل سکتے ہیں۔ ویسے بات کیا چھپانی ہے میرا کام شروع ہو چکا ہے۔ تم میری گھڑی اور میرے کپڑے نہیں دیکھتے۔ پر دوست یہ خدا کے حکموں کی نافرمانی کر کے ملے ہیں۔ اس کا مجھے بہت افسوس ہے۔ لیکن میرے دفتر کے ساتھی کہتے ہیں کہ شروع شروع میں ایسا ہی ہوتا ہے، انسان کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ خدا سے دور ہونا شروع ہو گیا ہے، لیکن آہستہ آہستہ دل کا کرب نوٹوں کے بنڈل میں دب جاتا ہے پھر اپنی منزل، کوٹھی اور کار بھی اپنے سہانے روپ کے ساتھ نظروں کے سامنے آجاتی ہے۔ اور دل کا بوجھ ہلکا کر دیتی ہے۔ بس دوست آج کل میں اس مصرعہ کو دہراتا رہتا ہوں۔ ع تیسنہ تو گام زن منزل ما دور نیست۔ میں نے ایک فریج خرید لی ہے۔ ایئر کنڈیشنر لیا ہے۔ بچے کہتے ہیں کہ رنگین T.V لے آؤ۔ لیکن ایسے میں کوٹھی بنا کر لاؤں گا۔ میں رقم بنک میں رکھتا ہوں۔ وہاں رقم اتنی ہو گئی ہے کہ اس سے زیادہ رکھنی مناسب نہیں۔ اب میں رقم گھر میں جمع کرتا ہوں۔ آج کل میں کچھ فکر مند رہنے لگا ہوں۔ ہاں کل ایک عجیب بات ہوئی۔ T.V میں تلاوت ہو رہی تھی۔ سکرین پر اس کا ترجمہ آیا۔ یہ سورۂ فرقان کی آیتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے پوچھتا ہے "کبھی تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا بنا لیا ہوا ہے؟ کیا تم ایسے شخص کا ذمہ لے سکتے ہو؟ کیا تمہارا خیال ہے کہ ان میں اکثر لوگ سنتے اور سمجھتے ہیں؟ نہیں یہ تو جانوروں کی طرح ہیں بلکہ یہ ان سے بھی زیادہ راہ بھولے ہوئے ہیں۔" دوستو! ان آیتوں کو پڑھ کر میرا ذہن سوچوں میں مبتلا ہو گیا ہے۔ میری سوچ کہتی ہے کہ کیا تو نے اپنی خواہش "بنگلا، بیوک اور بنک بیلنس" کو خدا نہیں بنایا ہوا؟ کیا تو نے اس کی خاطر خدا کو نہیں چھوڑ دیا؟ کیا تو اس کے حکموں کی خلاف ورزی نہیں کر رہا؟ کیا تو اپنے دل میں اس خواہش کے بت کو براجمان نہیں کر بیٹھا؟ میں کل سے پریشان ہوں۔ یہ خیال بار بار میرے دل میں آتا ہے۔ پھر میں سوچتا ہوں کہ اس راہ میں میں اکیلا نہیں۔ آج کل سب اس راہ پر چل رہے ہیں۔ کاروباری لوگ ناجائز منافع کما رہے ہیں۔ ملاوٹ کر رہے ہیں، بلکہ وہ بیماروں کو بھی معاف نہیں کرتے، دوائیوں میں ملاوٹ کرتے ہیں۔ نقلی مال بیچتے ہیں۔ سمگلنگ کرتے ہیں۔ ملکی دولت باہر کے بنکوں میں جمع کراتے ہیں۔ کاریگروں کا مال کم سے کم قیمت پر خریدتے اور زیادہ سے زیادہ قیمت پر بیچتے ہیں۔ صنعتکاروں سے جہاں تک ہو سکے مزدوروں کو تھوڑی تنخواہ پر ملازم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور خود ڈھیروں مال بناتے ہیں۔ ملت کے سب طبقے اس کام میں لگے ہوئے ہیں۔ سیاسی رہنما بھی کرسی چاہتے ہیں۔ دینی رہنماؤں کا ایک گروہ بھی دنیا کے پیچھے دوڑ رہا ہے۔ یہ اپنے انتخابی جلسوں میں حکومت کی تمام غلطیاں گنواتے ہیں۔ لیکن سامنے بیٹھے ہوئے حاضرین جن نافرمانیوں میں مبتلا ہیں۔ ان کے متعلق نہ انہیں تنبیہہ کرتے ہیں نہ انہیں نصیحت کرتے ہیں۔ کیوں! اس لیے کہ ان سے انہوں نے ووٹ لینے ہوتے ہیں۔ سو دوستو! میں کیا بتاؤں مجھے سمجھ نہیں آتی کہ میں کیا کروں۔ اب

جب کہ میں اپنی منزل کے قریب آپہنچا ہوں۔ میں اسے کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ صاحبو میں دلدل میں پھنس گیا ہوں۔ دلدل میں۔

یہ کہانی ایک شخص کی نہیں۔ آج ہماری اکثریت کی یہ کہانی ہے۔ دنیا پرستی نے آج سب کی زندگی اجیرن کردی ہے۔ آج کوئی کام کرنا آسان نہیں۔ قدم قدم پر رکاوٹیں پیش آتی ہیں۔ اگر آپکے پاس پیسے ہیں تو آپ کے سب کام ہو جائیں گے۔ ہماری قومی زندگی کی مشینری دن بدن جام ہوتی جاتی ہے۔ یہ اس وقت کام کرتی ہے جب اس میں زر کا تیل دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ۙ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ۙ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی ؕ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی ۙ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰی ۙ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی ؕ

(الیل : ۵ سے ۱۰)

جس نے راہِ خدا میں مال خرچ کیا اور پرہیزگاری اختیار کی اور ہدایت کی تصدیق کی اس کی زندگی ہم آسان سے آسان تر کرتے جائیں گے اور جس نے بخل کیا اور خدا سے بے پرواہی اختیار کی نیز ہدایت کو غلط جانا تو اس کی زندگی ہم مشکل سے مشکل تر کرتے جائیں گے۔

ہم جو کماتے وقت خدا کے حکموں کی پرواہ نہیں کرتے۔ اس کی راہ میں خرچ کہاں کریں گے۔ اس آیت کے مطابق چونکہ ہم بخیلوں کی قوم ہیں اور ہم نے خدا سے بے پرواہی اختیار کی ہوئی ہے۔ اس لیے آج ہماری زندگی مشکل سے مشکل تر ہوتی جاتی ہے۔ ہمیں سوچنا چاہیئے کہ ہم کدھر جا رہے ہیں۔ آج کل ہم اسلام کو نافذ کرنے کی جد وجہد کر رہے ہیں۔ ہم پچھلی صدیوں میں بھی اسے نافذ کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ پر اسلام تو اختیار کرنے کی چیز ہے ہم میں سے کوئی اسے اختیار کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ سب اسے نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ منزل ہماری دنیا ہے اور ہم مکہ پہنچنے کی امید لگائے بیٹھے ہیں۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ جیسے کوئی گاڑی کافرستان کی طرف جا رہی ہو۔ ہم اس کا رخ موڑنے کی بجائے اس کی اصلاح شروع کر دیں۔ کبھی کھڑکیاں بدل دیں، کبھی چھت تبدیل کر دیں۔ اور کبھی سیٹیں اٹھا کر دری قالین بچھا دیں۔ ظاہر ہے اس سے گاڑی کے کافرستان پہنچنے میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ہم نے اگر کعبہ کی طرف جانا ہے تو رخ اس کی طرف موڑنا پڑے گا۔ ہم کو رضائے خدا کی منزل اختیار کرنی ہوگی۔ جس معاشرے کی ہم کو تلاش ہے۔ وہ اس وقت پیدا ہوگا جب ہم خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کی راہ میں حائل ہونے والی سب آزمائشوں میں کامیاب ہو جائیں گے۔ صرف وہی دل کی بیماریوں سے شفا پاتے ہیں جو اس راہ میں ثابت قدم رہتے ہیں ایسے لوگوں پر اسلام نافذ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ خود اسے اختیار کر چکے ہوتے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مرضی کو اپنی مرضی پر ترجیح دینے والوں میں وہ روح پیدا ہوتی ہے جو اسلامی اصولوں کی جان ہے۔ اسلام کے اصولوں پر صرف ایسے لوگ ہی عمل کر سکتے ہیں۔ ہمارا معاشرہ صدیوں سے اس روح سے محروم ہو چکا ہے لیے بے جان معاشرہ میں اسلامی اصلاحات کا جو حال ہونا تھا۔ وہ

ہم سب کے سامنے ہے۔ لوگ بدستور بے چین ہیں۔ ماضی قریب میں ہم اورنگ زیب عالمگیر اور سید احمد شہید کی اصلاحی تحریکوں کے تجربے کر چکے ہیں۔ حال میں ہم نے خاکسار تحریک کی کوششوں کو دیکھا ہے۔ آج کل جماعت اسلامی اور جناب خمینی یہ تجربے کر رہے ہیں ہم ہزار سال تک بھی ایسی اسلامی اصلاحات کرتے رہیں تو تب بھی ہمیں پاک اور شریف معاشرہ کبھی نصیب نہ ہوگا۔ جب تک ہم "حق سبحانہٗ تعالیٰ" "دل اپنے دل دی مہار نہ موڑاں گے" اس وقت تک کامیابی نہیں ہوگی۔ اور یہ مہار ہمیشہ مفکروں اور مدیروں کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ جس قوم کے دانشور دنیا کی بھول بھلیوں میں گم ہوں۔ وہ کبھی نجات نہیں پا سکتی۔ آج سوچنے سمجھنے والے ادیبوں کا یہ فرض ہے کہ وہ خود اس منزل کی طرف سبقت کریں۔ اپنی نگارشات کے ذریعے مسلمانوں کو رضائے خدا کی منزل کی طرف متوجہ کریں۔ اپنے مضمونوں افسانوں کہانیوں اور نظموں میں اس حقیقت کو اجاگر کریں۔ ملت کو محسوس طریقے اور غیر محسوس طریقے سے یہ ذہن نشین کرا دیں کہ نظر تبدیل کر دگے تو تمہاری جان بدل جائے گی، جان بدلے گی تو جہان بدل جائیگا

دوسرا کام صاحب قلم حضرات کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے دوری کی وجہ سے جن گمراہیوں میں ہم پھنس گئے ہیں۔ ان کی پردہ دری کریں۔ ہم اپنے دین کو مسخ کر بیٹھے ہیں۔ سچا دین قرآن حکیم اور اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے نمونے میں پایا جاتا ہے۔ کوشش کرنے والوں کو اللہ کریم ضرور راہ دکھاتے ہیں۔

تیسرا کام یہ ہے کہ جو لوگ اپنا رخ سیدھا کریں، انہیں آپس میں ربط پیدا کرنا چاہئیے۔ کیونکہ ان کی زندگی میں مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ وہ جائز منافع لیں گے تو دوسرے دکاندار اسے برداشت نہیں کریں گے۔ وہ رشوت سے بچیں گے تو ان کے دفتر کے ساتھی ان سے خطرہ محسوس کریں گے۔ ان سے چھٹکارا پانے کی کوشش کریں گے۔ ان کی آمدنی کم ہو جائے گی۔ ان کے گھروں میں تلخیاں پیدا ہو جائیں گی۔ ان صاحبوں کو آپس میں تعلق پیدا کر کے ایک دوسرے کا درد بانٹنا چاہیئے۔

اب ہمیں اپنی خبر لینی چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ زندگی کا بوجھ ناقابل برداشت ہو جائے۔ اور اگلی نسل مایوس ہو جائے۔ دشمن ہمارے دائیں اور بائیں دونوں طرف بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ موقع کی تلاش میں ہیں۔ وہ ہمیں چکی کے پاٹوں میں پیس دینا چاہتے ہیں۔ وہ ہم سے سب کچھ چھین لیں گے پھر اپنی مرضی کا دستور دیں گے۔ مجبوری اور مقہوری ہمارا مقدر بن جائے گا۔

اَفَلَا تَتَفَکَّرُوْنَ ۰ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۰ — کیا تم اس پر غور نہیں کرتے کیوں تم عقل سے کام نہیں لیتے۔

محمد شریف — لاہور

رفتارِ کار

امیرِ تنظیمِ اسلامی کا دَورہ فیصل آباد

فیصل آباد مورخہ ۱۶، ۱۷، ۱۸ مارچ کے ایام میں امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے فیصل آباد کا دعوتی دورہ کیا ۱۶ مارچ کی شام کو امیرِ محترم ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب کے ہمراہ بذریعہ کار فیصل آباد تشریف لائے اور بعد نمازِ مغرب زرعی یونیورسٹی ہال میں اطبائے جدید (ڈاکٹر ولی) کے اجلاس میں ایک گھنٹہ سے زائد خطاب فرمایا۔ پورا ہال سامعین (جو دانشوروں پر مشتمل تھا) اپنی تنگیٔ داماں کی شکایت کر رہا تھا۔ خطاب کا موضوع تھا "اسلام کا فلسفۂ جہاد اور اقامتِ دین"۔ جو پوری توجہ سے سُنا گیا۔ ۱۷ مارچ کو صبح سے ۱۲ بجے دن تک ملاقاتوں کا سلسلہ رہا۔ اسی دن ٹھیک ایک بجے دن آپ نے بار ایسوسی ایشن میں وکلاء سے "اسلام اور پاکستان" کے موضوع پر خطاب کیا۔ پاکستان کے قیام کے پس منظر اور پیش منظر اور موجودہ صورتِ حال پر آپ نے بڑی تفصیل سے جامع اور مدلّل اور مؤثر انداز میں روشنی ڈالی۔ سامعین کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ پورا ہال باوجود اپنی وسعت کے تنگ دامنی پر شکوہ سنج تھا۔ کم و بیش حاضری دو تین ہزار ہو گی۔ بعد کو سوال و جواب بھی ہوئے اور وکلاء کی طرف سے امیر محترم کی چائے سے تواضع کی گئی۔ مکتبہ بھی لگایا گیا تھا جس سے خاصی تعداد میں کتابیں فروخت ہوئیں۔ اسی دن رات کو بعد نمازِ عشاء امیر محترم نے عبداللہ پور کی ایک جامع مسجد میں، جو دارالعلوم فتح دین کے نام سے موسوم ہے، ڈیڑھ دو گھنٹہ تک خطاب فرمایا۔ خطاب کا موضوع دعوتِ دین مع جملہ مراحل کے ساتھ یعنی مجاہدہ مع النفس، شہادت علی الناس، اقامت دین، نظم جماعت اہمیت بیعت پر مشتمل تھا۔ سامعین کا اندازہ کم و بیش دو تین ہزار تھا۔ ۱۸ مارچ کی صبح کو اسی مسجد میں ابتداءً سوال و جواب کی نشست ہوئی اور بعد میں بیعت جس کے نتیجہ میں کم و بیش ۱۰ افراد نے بیعت کی۔ اسی دن نمازِ فجر کے بعد آپ نے اپنے قیام کی متصل مسجد صدیقیہ میں بھی درسِ قرآن دیا جو خاصی توجہ کے ساتھ سنا گیا۔ ۱۸ مارچ کی دوپہر کو بعد از طعام آپ مراجعت فرمائے لاہور ہو گئے۔

امیرِ تنظیمِ اسلامی کا دَورہ ملتان و وہاڑی

ملتان میں گرمیوں کا آغاز ہو چکا ہے۔ پنکھے چلنے شروع ہو گئے ہیں۔ اور گو کہ بہار کی آمد آمد ہے اور ہر طرف پھول کھلے ہیں مگر دوپہر کو خاصی دھوپ ہوتی ہے۔ ایسے موسم میں امیرِ تنظیم اسلامی کی آمد سے دو دن قبل بارش کے چھینٹوں نے بہت خوش گوار اثر چھوڑا۔

۲۰ مارچ ۱۹۸۴ء کی صبح کی پرواز سے امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ملتان پہنچے۔ امیر ملتان حافظ غلام حیدر ترین اور رفیق مسعود احمد، منیر احمد اور عمر علی خان نے ائیرپورٹ پر استقبال کیا۔ باقی تمام رفقاء امیر ملتان کے گھر جمع تھے جہاں اب تنظیم کا نیا دفتر کھل چکا ہے جس کے ساتھ ایک عدد مہمان خانہ بھی تعمیر ہو چکا ہے۔ امیر محترم سب سے بغل گیر ہوئے اور خیریت دریافت کی۔ تعارف کے بعد امیر محترم نے تنظیم کی پچھلے تین ماہ کی کارکردگی کے بارے میں دریافت کیا۔ گفت و شنید

ابھی جاری تھی کہ بہاؤ الدین زکریا یونیورسٹی میں اسلامک سٹڈیز کے شعبے کے پروفیسر جناب حافظ نثار احمد صاحب ایک ٹیچر اور دو طالب علموں کے ساتھ تشریف لائے ۔ علیک سلیک کے بعد حافظ صاحب نے تنظیم کی تربیت کے بارے میں متعدد سوالات پوچھے جن کا ڈاکٹر صاحب نے خندہ پیشانی کے ساتھ مفصل جواب دیا ۔ آخر میں امیر محترم نے تنظیم کا منتخب نصاب اور دوسری چند کتب حافظ صاحب کو ہدیۃً پیش کیں تاکہ وہ اپنی لائبریری میں انہیں رکھ سکیں ۔ اللہ تعالیٰ حافظ صاحب اور ان کے ساتھی کو ان کتب کا مطالعہ نصیب کرے اور دین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ (آمین)

ظہر کی نماز اور دوپہر کے کھانے سے فارغ ہو کر امیر محترم نے کچھ دیر آرام فرمایا ۔ کیونکہ پچھلے تین ماہ سے مسلسل سفر میں تھے جیسا کہ پچھلے ماہ کے میثاق میں شائع ہو چکا ہے ۔

عصر کے بعد رفقاءِ تنظیم کے اجتماع میں امیر محترم نے سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۱۱۱ کا درس دیا جس کے بعد سات رفقاء نے بیعت کی گو کہ وہ تنظیم میں پہلے شمولیت کر چکے تھے ۔ ان میں حکیم عاشق حسین صاحب ، عبدالرشید صاحب ، حق نواز ، محمد اجمل ، مسعود احمد ، منیر احمد اور محمد اکبر صاحب شامل ہیں ۔

رات کو بعد نماز عشاء جلسہ شروع ہوا ۔ تعارفی جملے راقم نے ادا کئے ۔ اس کے بعد امیر ملتان نے مختصر تقریر کی اور آخر میں امیر محترم نے اقسام شرک کے موضوع پر نہایت ہی جامع مدلل اور علمی تقریر کی ۔ حاضری ۴۰۰ کے قریب تھی ۔ مگر ہماری توقع سے کم ۔ کیونکہ اسی دن اسی وقت مصر کے قاری عبدالباسط جامع خیر المدارس میں قرأت فرما رہے تھے ۔ لہٰذا کافی تعداد میں لوگ اس محفل میں گئے ہوئے تھے ۔ بہر حال الحمد للہ جلسہ نہایت کامیاب رہا اور نظم برقرار رہا ۔ تمام رفقاء نے جلسے کو کامیاب بنانے میں خوب محنت کی ۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کے نتیجے میں تنظیم کو تقویت عطا فرمائے ۔ آمین !!

۲۱ / مارچ : صبح نو بجے سوال و جواب کی نشست ہوئی جو کہ گیارہ بجے تک جاری رہی ۔ امیر محترم نے تمام سوالوں کا جواب نہایت احسن طریقے سے دیا اور اس بات پر زور دیا کہ ہم اپنے اختلافات کو پس پشت ڈال کر دین کی خدمت کریں اور اقامتِ دین کے پہلو پر تدبر کریں ۔

سوال و جواب کے اختتام پر تین اشخاص نے بیعت کی ۔ جن میں سے جناب محمد منیر صاحب اور محمد خالد صاحب کا تعلق سورج میانی کے علاقے سے ہے اور تیسرے ساتھی جناب ظفر خان صاحب برادرم عبدالماجد خان صاحب کے ساتھ پاک عرب فرٹیلائزر فیکٹری میں انجینئر ہیں ۔ آخر میں تنظیم کا ایک مختصر سا اجتماع ہوا جس میں بتایا گیا کہ امیر ملتان چونکہ اپنے ایک اہم کام کے سلسلے میں لاہور منتقل ہو رہے ہیں اور جب تک وہ واپس نہیں آتے برادرم عبدالماجد خان کو ان کی قائم مقام امیر اور جناب شفیع صاحب انچارج بیت المال کے فرائض انجام دیں گے ۔

عصر کی نماز کے بعد دو کاروں پر مشتمل ہمارا مختصر قافلہ وہاڑی کے لئے روانہ ہوا ۔ مغرب کی نماز وہیں جا کر ادا کی ۔ وہاں قیام کا بندوبست جناب اسلام الدین (مرحوم) کے گھر کیا گیا تھا ۔ بعد میں امیر محترم نے بتایا کہ ۱۹۴۷ء میں جو قافلہ مچھونہ سے پاکستان پہنچا تھا اس کے امیر اسلام الدین صاحب تھے اور ڈاکٹر صاحب خود اس قافلے میں شامل تھے ۔ ڈاکٹر منظور احمد اور ان کے رفقاء امیر وہاڑی جنہوں نے نہایت شاندار انتظام کیا ہوا تھا ، ہمارا پرتپاک استقبال کیا ۔ رات کو بعد از نماز عشاء ٹاؤن ہال کے گراؤنڈ میں امیر محترم نے "ہمارے دینی فرائض" کے موضوع پر نہایت جامع اور پر زور تقریر کی ۔ گراؤنڈ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا ۔ حاضرین نے خطاب نہایت توجہ اور انہماک سے سنا ۔

اگلے دن وہاڑی کی سب سے بڑی مسجد (باغ والی) میں بعد نماز عشاء امیر محترم نے سورۂ توبہ پر مشتمل درس دیا اور سیرتِ نبویؐ کی روشنی میں بیعت کی اہمیت کو واضح کیا۔ آپ نے شیخ الہند مولانا محمود الحسن کی مولانا ابوالکلام آزاد کے ہاتھ پر بیعت کا ذکر بھی کیا کہ جس کے بعد یہ سلسلہ ایسا ٹوٹا ہے کہ اب تک جڑ نہیں پایا اور اسی سلسلے کے احیاء کے لئے تنظیم اسلامی کا قیام عمل میں آیا ہے۔ درس کے بعد سوال و جواب کی نشست ہوئی اور صبح کا پروگرام اپنے اختتام کو پہنچا۔ دوپہر کو گو کہ ہماری ملتان واپسی تھی مگر وکلاء کے ایک وفد کے پر زور اصرار پر امیر تنظیم گیارہ بجے ان کے ہاں تشریف لے گئے۔ اقامتِ دین کے پہلو پر ایک مختصر خطاب کیا اور سوالات کے جواب دیئے۔ جب ایک وکیل صاحب نے امیر تنظیم سے پوچھا کہ انقلاب کی راہ میں کون کون سی دشواریاں آپ کو پیش آ رہی ہیں اور جواب یہ ملا کہ میرا اور آپ کا نفس تو سارے مجمع نے اس کی پرزور تائید کی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اقامت دین کی اہمیت کا شعور عطا فرمائے اور اسے جس طرح حضور سرورِ کائنات ؐ نے ادا کیا اس طریقے پر ہمیں بھی اسے بجالانے کی توفیق عطا فرمائے، آمین!

دو بجے تک ہم واپس ملتان پہنچ چکے تھے اور نماز ظہر ادا کر رہے تھے۔ امیر تنظیم کی روانگی سے قبل جناب شوکت منڈ صاحب جو کہ ڈاکٹر صاحب کے پرانے کلاس فیلو بھی ہیں، نے بیعت کی۔

پانچ بجے راقم اور رفیق محمد اکبر صاحب امیر تنظیم کو ائرپورٹ پر الوداع کہنے گئے۔ وہ ہم سے بغلگیر ہوئے اور لاؤنج کی جانب بڑھے۔

مرتب: ڈاکٹر محمد طاہر خاکوانی

امیر تنظیم اسلامی کا دورۂ بالاکوٹ، گڑھی حبیب اللہ و مظفر آباد

جناب سلیم خاں صاحب صدر مرکزی سیرت کمیٹی گڑھی حبیب اللہ کی دعوت پر محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے ۴ اور ۵ اپریل ۱۹۸۴ء کو بالاکوٹ، گڑھی حبیب اللہ اور مظفر آباد کا دورہ کیا۔

اس دورے کے پہلے مرحلے میں محترم امیر تنظیم اسلامی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ۴ اپریل کو صبح قریباً ۸ بجے راولپنڈی سے ایبٹ آباد پہنچ گئے۔ ایبٹ آباد میں کچھ دیر آرام فرمانے اور مقامی رفقاء سے ملاقات کے بعد ڈاکٹر صاحب مع قمر سعید قریشی صاحب قیم تنظیم اسلامی، محمد احمد صاحب، اشرف صاحب، ڈاکٹر جمیل اختر راجپوت صاحب، خالد وحید صاحب، عبدالقیوم صاحب، محمد جمیل خان صاحب اور سلیم خان صاحب صدر مرکزی سیرت کمیٹی گڑھی حبیب اللہ تقریباً دس بجے صبح بالاکوٹ کے لیے روانہ ہوئے۔ اسی قافلے میں ایک اور دوست جناب شیر افگن صاحب بھی مانسہرہ سے شامل ہو گئے۔ سوا بارہ بجے یہ قافلہ بالاکوٹ پہنچ گیا۔ جہاں مقامی علماء اور دوسرے حضرات نے ایک خوبصورت جگہ پر واقع خوبصورت پارک ہوٹل میں ڈاکٹر صاحب کا خیر مقدم کیا۔

پارک ہوٹل کے لاؤنج میں ہی متعدد حضرات نے جن میں مقامی علماء اور دوسرے حضرات شامل تھے، ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کی اور مختلف امور پر تبادلۂ خیالات کیا۔ ڈیڑھ بجے دن ایک پرتکلف کھانے کا اہتمام ہوا۔ جس کے بعد ڈاکٹر صاحب مرکزی جامع سید احمد شہیدؒ مسجد روانہ ہوئے جہاں بعد از نماز ظہر ڈاکٹر صاحب نے تحریک شہیدین بالاکوٹ

کے پس منظر میں ایک مفصل بیان دیا ۔ اس بیان کا موضوع جہاد تھا اور یہ بیان تقریباً تین گھنٹے تک جاری رہا ۔ جس کے دوران ہی نماز عصر پڑھی گئی ۔ ڈاکٹر صاحب کا بیان سننے کے لئے مختلف طبقہ ہائے فکر کی ایک بہت بڑی تعداد موجود تھی ۔ بیان کے بعد سوالات و جوابات کا سلسلہ شروع ہوا ۔ بہت سے حضرات نے بڑی اہم نوعیت کے سوالات لکھ کر پیش کئے جن کے جوابات ڈاکٹر صاحب نے نہایت مدلل طور پر دیئے ۔

ڈاکٹر صاحب کی کتب اور کیسٹس لوگوں نے بڑے جوش و جذبے سے خریدیں اور اچھی خاصی تعداد میں کتب اور کیسٹس فروخت ہوئیں، اس مجلس کے بعد چائے کا اہتمام کیا گیا تھا

بالاکوٹ سے تقریباً سوا چھ بجے شام گڑھی حبیب اللہ کے لئے روانہ ہوئے ۔ مغرب کی نماز راستہ میں ہی پڑھی گئی ۔ گڑھی حبیب اللہ میں قیام کا انتظام خان آف گڑھی کے مہمان خانہ میں تھا ۔ وہیں کچھ دیر آرام کرنے اور رات کا کھانا کھانے کے بعد قریب ہی ایک نوتعمیر بڑی اور خوبصورت مسجد میں عشاء کی نماز پڑھی گئی ۔ نماز کے بعد ڈاکٹر صاحب نے "اسلام میں جماعت کے قیام اور اس کے لوازم و شرائط" کے موضوع پر تقریر کی ۔ شروع میں حاضری بہت زیادہ نہ تھی البتہ بعد میں لوگ آنا شروع ہو گئے اور آہستہ آہستہ مسجد کا ہال بھر گیا ۔ یہ خطاب تقریباً رات گیارہ بجے تک جاری رہا ۔

۵ اپریل کو صبح ایبٹ آباد کے دو نئے اصحاب، جناب عبدالقیوم صاحب اور شیر زنگن صاحب نے ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ پر تنظیم میں شمولیت کی بیعت کی ۔ اس طرح ایبٹ آباد میں تنظیم کے رفقاء کی تعداد چھ ہو گئی ہے ۔ جس کے بعد محترم امیر تنظیم اسلامی نے خالد وحید صاحب کو مقامی تنظیم کا ناظم مقرر کر دیا ۔

مظفر آباد روانگی سے قبل جناب ڈاکٹر صاحب نے مقامی رفقاء سے تنظیم کے انتظامی امور پر تبادلۂ خیال کیا اور جناب قمر سعید قریشی صاحب قیم تنظیم اسلامی نے بھی مختلف امور کے بارے میں ہدایات دیں ۔ ایبٹ آباد سے ایک اور رفیق جناب محمد حنیف صاحب بھی گڑھی حبیب اللہ پہنچے ۔

نو بجے صبح تمام مذکورہ اصحاب ڈاکٹر صاحب کی معیت میں مظفر آباد کے لئے روانہ ہوئے اور پونے دس بجے یہ مختصر قافلہ یونیورسٹی کالج مظفر آباد پہنچ گیا ۔ جہاں کالج کے ڈین اور دوسرے اساتذہ و طلبہ کے نمائندوں نے ڈاکٹر صاحب کا خیر مقدم کیا ۔ کالج کی بزم ادب نے یونیورسٹی کالج کے ہال میں مجلس کا اہتمام کیا ہوا تھا ۔ اس مجلس میں اساتذہ، علماء، دانشوروں اور طلبہ و طالبات کی ایک بڑی تعداد موجود تھی ۔ تقریب کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا ۔ تلاوت یونیورسٹی کے ایک پروفیسر جو کہ سعودی عرب سے تعلق رکھتے ہیں، نے کی ۔ اُن کی خوش الحان تلاوت نے روح میں ایک تازگی سی رچا دی ۔ تلاوت کے بعد جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے خطاب کیا ۔ خطاب نہایت پُرتاثیر تھا ۔ جس میں تحریک پاکستان، اتحاد بین المسلمین اور نظامِ نفاذِ اسلام پر تفصیلی گفتگو کی گئی ۔ یہ تقریر قریباً ڈیڑھ گھنٹے جاری رہی جس کے بعد سوالات و جوابات کا سلسلہ شروع ہوا ۔ ڈاکٹر صاحب نے نہایت وضاحت کے ساتھ سوالات کے جوابات دیئے ۔

تقریر کے بعد ڈین صاحب کے کمرے میں چائے کا اہتمام تھا ۔ جہاں ڈاکٹر صاحب نے علماء اور دوسرے حضرات سے تبادلۂ خیالات بھی کیا ۔ قریباً ایک بجے ڈاکٹر صاحب یونیورسٹی کالج سے مع رفقاء رخصت ہوئے ۔ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد ڈاکٹر صاحب اپنے لاہور کے رفقاء کے ساتھ مظفر آباد سے لاہور براستہ مری، راولپنڈی روانہ ہو گئے اور ایبٹ آباد کے رفقاء براستہ گڑھی حبیب اللہ واپس روانہ ہو گئے ۔

مرتب : ناظم ایبٹ آباد

(بقیہ عرض احوال)

وساری ہو اور اس میں اللہ کے دین پر مبنی نظامِ عدل وقسط بالفعل قائم ہو۔ چنانچہ سورہ حدید کی آیت نمبر ۲۵ میں رسولوں کی بعثت اور ان کے ساتھ کتاب و میزان (شریعتِ الٰہی) کے انزال کی غرض وغایت اسی نظامِ عدل وقسط کا قیام بیان فرمایا گیا ہے۔ پھر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی امتیازی شان بھی یہی اظہار دین الحق بیان ہوئی ہے۔ مقامِ افسوس ہے کہ آج ہمارا دین ایک مکمل نظامِ حیات کی حیثیت سے دنیا کے کسی بھی گوشے میں غالب و نافذ نہیں ہے۔ تنظیمِ اسلامی اسی مقصد کی جدوجہد کے لیے قائم کی گئی ہے۔ یہی مقصد ہے جس کے لیے یہ قافلہ ترتیب دیا جارہا ہے۔ لہٰذا ایسی جماعت یا تنظیم کے سالانہ اجتماعات دینی اعتبار سے جس اہمیت کے حامل ہو سکتے ہیں اس کا صحیح احساس ہر رفیق بادنیٰ تأمل خود کر سکتا ہے۔

جس طرح ایک صاحب بصیرت شخص کے لیے اس کی انفرادی سیرت و کردار کی تعمیر میں اس کا شعور ذات ایک اہم عامل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی طرح کسی اصولی، نظریاتی اور انقلابی جماعت کی صحتِ استحکام اور اس کے صحیح رخ پر ترقی کے لیے اس جماعت کے ہر رفیق میں شعور جماعت بلکہ جماعت کے مقصد کا شعور ہونا لازم ہے۔ جس ہیئتِ اجتماعیہ کے رفقاء کے ذہنوں میں مقصدِ جماعت یا جماعتی نصب العین کا شعور مضمحل ہو جاتا ہے، وہ جماعت اپنے مقصد و مطلوب کی جانب پیش قدمی کرنا تو در کنار ملک و قوم اور دین کے لیے فتنہ بن سکتی ہے۔ لہٰذا اس اعتبار سے بھی ضروری ہے کہ ہر اسلامی تنظیم یا جماعت کے وابستگان سال میں کم از کم ایک مرتبہ جمع ہو کر اپنے مقصد کی شعوری تجدید کے ساتھ اپنی تنظیمی سرگرمیوں پر بھی ایک ناقدانہ نگاہ ڈالیں۔ اور صورتِ حال کا جائزہ لینے کے بعد آئندہ کے لیے لائحہ عمل مرتب کریں اور اللہ کی نصرت و تائید کے بھروسے پر اپنے ہدف کی طرف پیش قدمی کے لیے نیا جوش و ولولہ اور عزمِ مصمم لے کر اپنے گھروں کو لوٹیں۔

مرکزی انجمن خدام القرآن کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے چھٹے محاضراتِ قرآنی کی تین نشستوں میں صدر و مؤسس انجمن اور امیر تنظیم اسلامی، ڈاکٹر اسرار احمد نے "جہاد بالقرآن" اور اسلامی انقلاب کے لیے التزامِ جماعت اور مسئلۂ بیعت جیسے اہم موضوعات پر خطاب فرمایا۔ یہ نشستیں برصغیر پاک و ہند کی معروف دینی و علمی شخصیت مولانا سعید احمد اکبر آبادی مدظلہ العالی ڈائریکٹر شیخ الہند اکیڈمی و رکن مجلسِ شوریٰ دار العلوم دیوبند کے زیر صدارت منعقد

ہوئیں۔ صدر موصوف کے علاوہ ان نشستوں میں دیگر جید علماء اور اصحاب دانش و بینش بھی موجود تھے امیر تنظیم نے تمام اہل علم حضرات کو پورے خلوص کے ساتھ دعوت دی، کہ قرآن مجید اور سیرت مطہرہ کے معروضی مطالعہ سے دینی فرائض کے جس جامع تصور اور نتائج تک وہ پہنچے ہیں ان کو اختصار کے ساتھ انہوں نے بیان کرنے کی کوشش کی۔ اگر ان کے غور و فکر اور استنباط اور استدلال میں کوئی غلطی ہو تو اسے ان پر دلائل کے ساتھ واضح کی جائے۔ ایسی صورت میں وہ پورے خلوص کے ساتھ اس پر غور کریں گے اور اگر ان کا قلب و ذہن اس غلطی پر مطمئن ہو گیا تو ان شاء اللہ وہ اس کا بر ملا اعتراف و اعلان کریں گے۔ الحمد للہ تا حال ان تقاریر کے موقع پر شریک اہل علم کی جانب سے کسی غلطی کی نشاندہی نہیں کی گئی۔ بلکہ ہماری معلومات کی حد تک تمام ہی حضرات نے اصولی طور پر امیر محترم کے موقف کی تصویب ہی کی۔ امیر محترم کے یہ خطابات بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ لہذا کوشش کی جا رہی ہے کہ تنظیم اسلامی کے آٹھویں سالانہ اجتماع تک یہ دونوں خطاب کتابی صورت میں شائع ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو مشکور فرمائے۔ مزید براں ان محاضرات میں جو بیش قیمت مقالہ جات پیش ہوئے تھے انشاء اللہ وہ بالترتیب ماہنامہ حکمت قرآن کی زینت بنتے رہیں گے جو انجمن کا ترجمان ہے۔

عرصہ دراز سے میثاق میں طویل مضامین کا سلسلہ جاری ہے جن کو بالاقساط شائع کرنا ناگزیر ہو گیا ہے لیکن بعض اوقات چند ضروری، اہم اور فوری اشاعت کے متقاضی مضمون کی وجہ سے ان مسلسل مضامین میں سے کسی کی قسط روکنی بھی پڑ جاتی ہے۔ جس پر خود ادارے کو بھی ایک قسم کی ذہنی کوفت ہوتی ہے لہذا قارئین میثاق کو بھی یقیناً اس کوفت سے سابقہ پیش آتا ہوگا، جس پر ہم اپنے جملہ قارئین کی خدمت میں معذرت پیش کرتے ہیں۔ گزشتہ ماہ کے شمارے میں اس ارادے کا اظہار کیا گیا تھا کہ ۲۳ مارچ / ۸۴ کو "اسلام اور پاکستان" کے موضوع پر امیر محترم نے جو خطاب فرمایا تھا اس کے چیدہ چیدہ حصے آئندہ شمارے میں پیش کیے جائیں گے۔ لیکن اس کا موقع میسّر نہ آسکا۔ ویسے اس موضوع پر اہم مباحث "اسلام اور پاکستان" نامی کتاب میں شامل ہیں۔ اس کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ اگر اللہ کو منظور ہوا تو کسی آئندہ شمارے میں چند اہم نکات پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاۗءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ

سورۃ الاسراء۔ الآیۃ ۸۲

❀❀❀

عطیہ: حاجی محمد سلیم

❀

حاجی شیخ نور الدین اینڈ سنز لمیٹڈ (Exporters)

نمبر ۳۰۱، لنڈا بازار، لاہور۔ ۳۰۶۴۲۸ / ۳۰۵۴۶۶

❀

قارئین متوجہ ہوں!

ماہنامہ حکمتِ قرآن کا سالانہ زرِ تعاون اندرونِ ملک ۔ ۴۰ روپے ہے جبکہ دوسرے ممالک کے لئے زرِ تعاون حسب ذیل ہے:

کینیڈا -/۱۵۰ روپے یا ۱۵ کینیڈین ڈالر

امریکہ، افریقہ، مغربی جرمنی، نائیجیریا -/۱۵۰ روپے یا ۱۲ امریکن ڈالر

انگلینڈ، ناروے، متحدہ عرب امارات -/۱۰۰ روپے

سعودی عرب، ابوظہبی، مصر، ایران -/۶۰ روپے

انڈیا -/۸۰ روپے

پاکستان کے دیگر شہر جہاں تنظیم کی ذیلی شاخیں قائم ہیں وہاں میثاق درج ذیل پتوں سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

★ پشاور: دفتر تنظیم اسلامی۔ نثار بلڈنگ پل پختہ نزد چوک یادگار، پشاور

★ ملتان: عبدالغنی صاحب ملتان پولٹری کارنر۔ بالمقابل فاطمہ جناح ہسپتال ملتان۔ فون ۷۵۸۹۱

★ کوئٹہ: دفتر تنظیم اسلامی جناح روڈ کوئٹہ اور قاری افتخار احمد صاحب خطیب مسجد طوبیٰ مسجد روڈ کوئٹہ۔ فون ۷۷۲۶۹

★ کراچی: داؤد منزل۔ نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی۔ فون ۲۱۴۷۰۹

★ راولپنڈی: یزی لینڈ اسکول ۱-E-۱۴۔ راولپنڈی سٹلائٹ ٹاؤن فون ۴۳۷۳۶

★ گوجرانوالہ: جناب پاشا ہارون برکی، بی-۵۸۱-سٹلائیٹ ٹاؤن

★ سیالکوٹ: جناب محمد منیر اقبال۔ معرفت وحید کلینک چوک کوٹلی بہرام فون ۳۲۲۴

★ وہاڑی: ڈاکٹر منظور حسین منظور محمدی ہسپتال - X-۱۷ - بیپلز کالونی

★ ایبٹ آباد: خالد وحید صاحب C-۱۷۴۹ اسول لائنز۔ فون ۲۳۰۴، ۴۴۲۹

★ فیصل آباد: دفتر تنظیم اسلامی بالمقابل گورنمنٹ رحمانیہ ہائی سکول (مکان حاجی عبدالواحد قدیم تنظیم) پیپلز کالونی۔ فون ۴۳۴۰۹

امپورٹ - ایکسپورٹ کا قابلِ فخر ادارہ

ریبو انٹرنیشنل

برآمدی اشیاء

آرٹ سلک فیبرکس گارمنٹس ٭ بیڈ شیٹس
کاٹن کلاتھ ٭ کاٹن گارمنٹس ٭ احرام تولیہ ٭ تولیہ
ہینڈی کرافٹس ٭ لکڑی کا فرنیچر۔

درآمدی اشیاء

لاکھ دانہ ٭ سٹکر فلم ٭ سوچ سٹارٹر
ربڑ لیٹکس ٭ پولیسٹر ریان۔

مرکزی دفاتر

I فلور غلام رسول بلڈنگ ۶ شاہراہِ قائداعظم لاہور
ذیلی دفاتر:- کراچی - فیصل آباد -

وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَأْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

(الحدید : ٢٥)

اور ہم نے لوہا اتارا

جس میں بڑی قوت بھی ہے اور لوگوں کے لیے

بڑے فوائد بھی ہیں۔

اتفاق فاؤنڈریز لمیٹڈ

٣٢- ایمپریس روڈ - لاہور

عن عبد الله بن عمر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم

السمع والطاعة

على المرء المسلم فيما أحب وكره ما لم يؤمر بمعصية

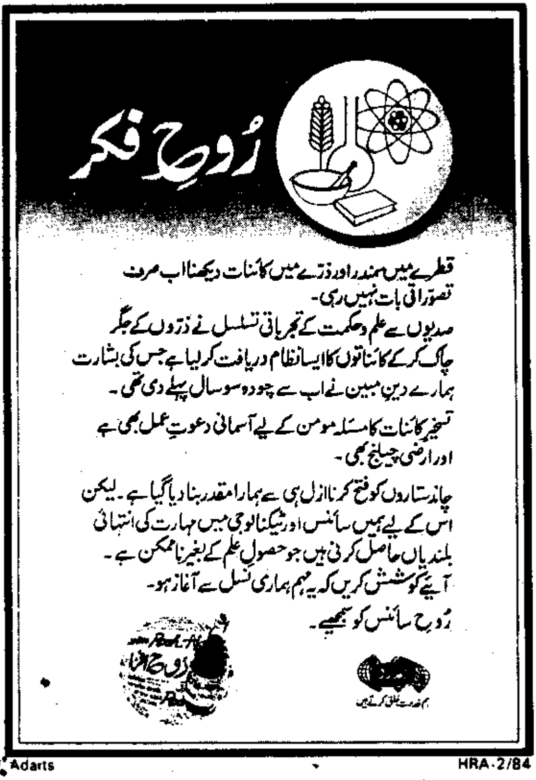

Adarts HRA-2/84

مرکزی انجمن خدام القرآن - لاہور

کے چھٹے سالانہ

محاضراتِ قرآنی

میں

ڈاکٹر اسرار احمد

کے دو فکر انگیز خطابات

(۱)

جہاد بالقرآن

اور

(۲)

اسلامی انقلاب

کیلئے

التزامِ جماعت

اور

مسئلہ بیعت

زیرِ تکمیل ہیں اور ان شاء اللہ العزیز
مئی ۸۴ء کے آخری عشرے میں
منصۂ شہود پر آجائیں گے

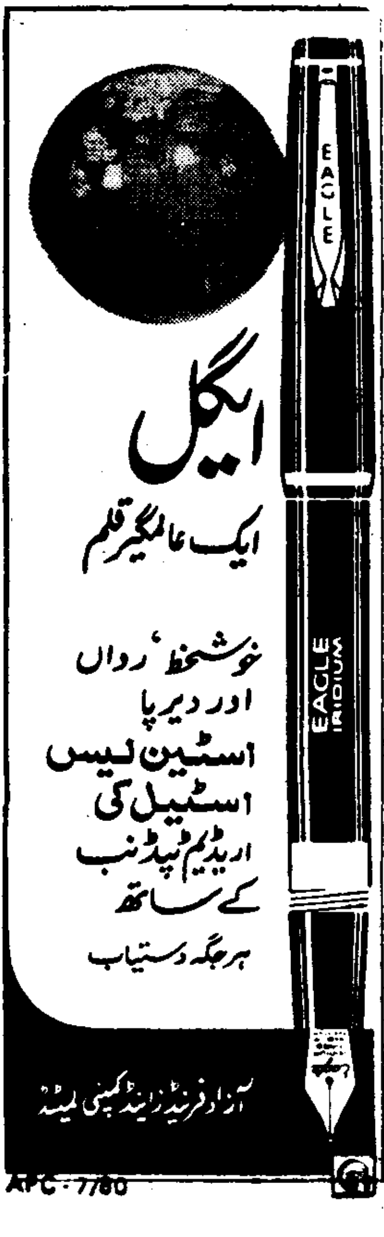

PEPSI

MIRINDA

پنجاب بیوریجز کمپنی لمیٹڈ۔ فیصل آباد۔ فون: ۲۶۰۳۱ ۲۳۹۳۱

ان شاء اللہ العزیز

حسبِ اعلان

تنظیمِ اسلامی پاکستان

کا

آٹھواں سالانہ اجتماع

۲۵ تا ۳۰ مئی ۱۹۸۴ء

قرآن اکیڈمی

۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

میں منعقد ہوگا

- توقع ہے کہ رفقاءِ تنظیم نے اجتماع میں اپنی شرکت کو یقینی بنانے کے لیے مناسب اہتمام کر لیا ہوگا۔
- سالانہ اجتماع کی پہلی نشست کا آغاز چونکہ ۲۵ مئی ۱۹۸۴ء بعد نمازِ مغرب ہوگا لہٰذا مناسب ہوگا کہ رفقاء ۲۵ مئی کو نمازِ جمعہ مسجد دارالسلام میں ادا کریں اور وہاں سے قرآن اکیڈمی تشریف لے آئیں۔

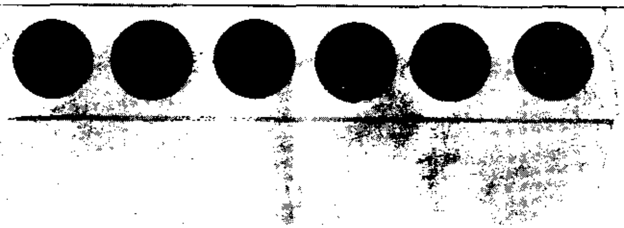

Please contact us for your
requirements big or small

IZHAR LIMITED

(INC. 1964)

Engineers & Contractors and leaders of

mukhtarsons
group of companies

trusted and well-known for Precast Prestressed
Concrete roofing famous as

"اظہار لمیٹڈ کی تیار چھتیں"

and the first & only producers of Precast Prestressed

Hollow-Core Slab in Pakistan

HEAD OFFICE
6-Kausar Road, Islampura, P.O. Box 1699, Lahore-1.

SALE LIAISON OFFICE:
41-Shara-e-Pakistan (Lower Mall near Secretariate), Lahore-1.

Phones : Lahore : 69522 - 61514 - 413569, Muridkey : 700389
Sahiwal : 3382. Faisalabad : 50626.
Rawalpindi : 68127

Regd. L. No. 7360

MONTHLY **"MEESAQ"** LAHORE

Vol. 33	MAY 1984	No. 5

قدرتی گیس کا ضیاع روکیئے

ہمارے توانائی کے وسائل محدود ہیں ہم توانائی کے ضیاع کے متحمل نہیں ہو سکتے

گیس بچا کر
قومی معیشت کو
مستحکم بنائیے

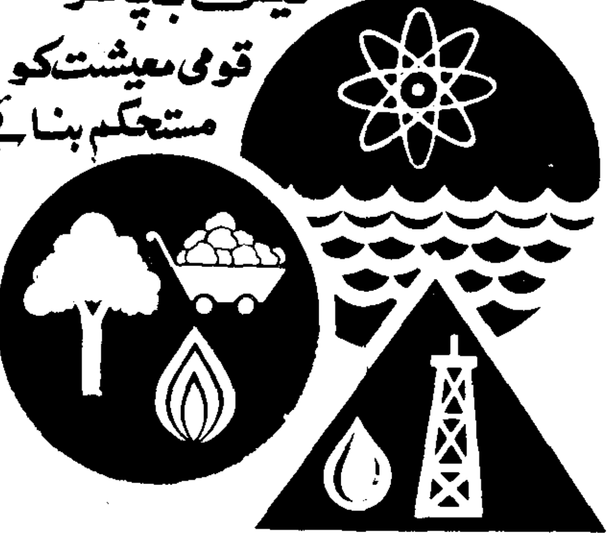

ہمارے ملک میں توانائی کے وسائل کی کمی ہے. توانائی کی ضروریات کثیر زرمبادلہ صرف کر کے پوری کی جاتی ہیں. ہماری صنعت، تجارت، زراعت کے شعبوں میں توانائی کی مانگ روز بروز بڑھتی جا رہی ہے. آپ کی بچائی ہوئی توانائی ان اہم شعبوں کے فروغ میں کام آئے گی.

قدرتی گیس بہت زیادہ
قیمتی ہے.
اسے ضائع نہ کیجئے

سوئی ناردرن گیس پائپ لائنز لمیٹڈ

SUI NORTHERN

SNGPL 4/80

paragon